اصلاحی مواعظ

ایسے عام فہم موضوعات جو ہر شخص
کی اصلاح کے لیے انتہائی مفید ہیں

جلد دوم

- نفلی عبادات کی اہمیت
- اتباعِ سنت کی برکات
- ذکر اللہ کے فضائل
- صدقہ و خیرات کے فضائل
- ریاکاری اور اُس کا علاج
- عورت کی عظمت
- دین کیا ہے؟
- فلسفہ حج و قربانی
- علم پر عمل کریں
- اُسوۂ حسنہ اور انسانی حقوق

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۳۵۲۴۸۳۷

اِصلاحی مواعظ

ایسے عام فہم موضوعات جو ہر شخص
کی اصلاح کے لیے انتہائی مفید ہیں

جلد دوم

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

بیت العلوم
۲۰۔ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون: ۷۳۵۲۲۸۳

کتاب : اصلاحی مواعظ
مواعظ : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف ﴿فاضل جامعہ دارالعلوم، کراچی﴾
جلد : دوم
باہتمام : محمد ناظم اشرف
کمپوزنگ : ہیراگون گرافکس (نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور)
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۲۸۳

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = چوک اردو بازار کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر ۱
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴،
ادارۃ القرآن = چوک لسبیلہ گارڈن ایسٹ کراچی

﴿پیش لفظ﴾

شیخ الاسلام جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

احقر کے جو بیانات یا تقریریں مختلف مواقع پر ہوتی رہی ہیں، بعض دوستوں نے انہیں قلمبند کر کے شائع کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے کا آغاز عزیز گرامی مولانا عبداللہ میمن صاحب نے کیا اور مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں احقر کی ہفتہ وار مجلس کے خطبات انہوں نے (اصلاحی خطبات) کے عنوان سے شائع کئے جن کی اب تک نو (۹) جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کا فائدہ ملک میں اور بیرون ملک محسوس کیا گیا۔

اس قسم کے بیانات لاہور، فیصل آباد اور بعض دوسرے مقامات پر ہوئے، لاہور میں کچھ عرصے سے ماہانہ خطبات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ ان بیانات کو خواہر زادہ عزیز مولانا محمد ناظم اشرف سلمہ اور ان کے رفقاء مولانا محمد کفیل خان اور مولانا محمد خالد محمود صاحب نے کیسٹوں کی مدد سے مرتب کر کے شائع کیا۔ اب ایسے دس بیانات کا مجموعہ وہ زیر نظر جلد میں (اصلاحی مواعظ) کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض خطبات میری نظر سے گذرے ہیں، بعض نہیں۔ لیکن الحمد للہ، دوسرے اہل علم نے بھی ان پر نظر ثانی کی ہے۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ مفید ہونگے۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرتبین کو جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ اس مجموعے کو قارئین کے لئے نافع بنائیں اور احقر کے لئے اپنے فضل و کرم سے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور ذخیرہ آخرت بنا دیں۔ آمین ثم آمین

نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۹، شعبان المعظم ۱۴۱۹ء کراچی

﴿عرض ناشر﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالی کا نام عالم اسلام کے دینی حلقوں میں مشہور و معرف ہے۔ حضرت کی شخصیت ان ہستیوں میں شامل ہے جن کی مثالیں زمانے میں گنی چنی ہوتی ہیں۔ آپ کی تصانیف کے ساتھ ساتھ آپ کے ان خطبات اور مواعظ نے بھی تمام مکتبہ فکر سے خراج تحسین حاصل کیا جو بے شمار لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لا چکے ہیں۔ جامع مسجد بیت المکرم کراچی میں حضرت ہفتہ وار اصلاحی درس فرماتے ہیں جو اصلاحی خطبات کے نام سے کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔ لاہور کے علماء اور عوام کا کافی عرصے سے یہ اصرار تھا کہ حضرت لاہور تشریف لا کر ماہانہ وعظ فرمایا کریں۔ چنانچہ حضرت نے اس کو قبول فرمایا اور اب ماہانہ وعظ کے لئے ہر ماہ لاہور تشریف لاتے ہیں۔ ان مواعظ کو کیسٹوں کی مدد سے ضبط کر لیا گیا ہے۔ اور اب ہم اللہ کے فضل و کرم سے حضرت کے مواعظ کو (اصلاحی مواعظ) کے نام سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس میں چند مواعظ لاہور کے ہیں چند دوسرے مقامات کے۔ اصلاحی مواعظ کی جلد اول کی غیر معمولی مقبولیت کے بعد اب جلد دوم حاضر خدمت ہے اور جلد سوم پر بھی اللہ کے فضل سے کام جاری ہے۔ اس جلد کی ضبط و ترتیب میں احقر کے علاوہ مولانا کفیل خان صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب نے شرکت فرمائی ہے۔ ہم جلد دوم کی تیاری میں حضرت مولانا یوسف خان

صاحب مد ظلہم (استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور) اور حضرت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مد ظلہم (استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی) کے بے حد مشکور ہیں کہ ان حضرات نے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر ان پر نظر ثانی فرمائی اور اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے سائے کو ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے اور اس خدمت کو جاری رکھتے ہوئے دین کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مدیر۔ محمد ناظم اشرف
بیت العلوم۔ ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی،
لاہور

فہرست

﴿نفلی عبادات۔ کی اہمیت﴾

اتباع سنت

﴿ذکر اللہ﴾

﴿صدقہ اور خیرات﴾

﴿ریاکاری کا علاج﴾

﴿عورت کی عظمت﴾

دین کیا ہے؟

﴿فلسفۂ حج و قربانی﴾

علم پر عمل کریں

﴿اسوۂ حسنہ اور انسانی حقوق﴾

اجمالی فہرست

نفلی عبادات
کی اہمیّت

موضوع : نفلی عبادات کی اہمیت
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

نفلی عبادات کی اہمیت

بعد از خطبہ مسنونہ

عشرہ ذی الحجہ میں عبادت

اس سے پچھلے باب میں گناہوں کے برے انجام کو بیان کیا گیا تھا جس پر الحمدللہ بقدر ضرورت بیان ہو چکا اور اب یہ باب اللہ تعالیٰ کی عبادت کی فضیلت کے بیان میں ہے اور حسن اتفاق سے یہ باب آج ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو شروع ہو رہا ہے۔ اور ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے دنوں کے مقابلے میں اسے خصوصی امتیاز عطا فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے بعد کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو اتنی عبادت اتنی

پسندیدہ ہو جتنی اس عشرہ ذی الحجہ میں ہوتی ہے۔اور پھر اس کی تفصیل یوں فرمائی کہ اس کے ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت (اجر و فضیلت کے اعتبار سے) شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ چونکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں اس لیے علماء نے فرمایا ہے کہ خواہ کسی بھی قسم کی عبادت ہو وہ ان دنوں میں جتنی زیادہ انجام دی جائے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کی اُمید ہے۔

عبادت تخلیق انسانی کا بنیادی مقصد

گذشتہ بیانات میں، میں دو باتوں پر کثرت سے زور دیتا رہا ہوں۔

(۱) نفلی عبادات کے مقابلے میں گناہوں سے بچنے کی فکر زیادہ اہم ہے۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔

(۲) حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے کیونکہ لوگوں نے حقوق العباد کو دین ہی سے خارج قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ میں متعدد مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں۔

(۱)۔ عقائد (۲)۔ عبادات (۳)۔ معاملات (۴)۔ معاشرت (۵)۔ اخلاقیات۔

لیکن آج کے دور میں لوگوں نے عقائد اور عبادات کی حد تک دین کو محدود کر دیا ہے اور بقیہ تین شعبوں کو دین سے بالکل خارج سمجھ لیا ہے۔ اور ان میں بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہونے کے باوجود اس کے گناہ ہونے کا خیال بھی

دل میں نہیں کرتے۔ حالانکہ حقوق العباد کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ واستغفار سے وہ گناہ معاف نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عبادات فی نفسہ اہمیت نہیں رکھتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خواہ کسی بھی مشروع شکل میں ہو، درحقیقت وہی تخلیق انسانی کا بنیادی مقصد ہے۔ جیساکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾

"اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت
کے لیے پیدا کیا ہے" (سورہ الذریت آیت نمبر ۵۶)

فرشتے اور انسان کی عبادت کا فرق

یوں تو تخلیق انسانی سے پہلے فرشتے بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے اس وجہ سے پیدا فرمایا کہ فرشتوں کی عبادت درحقیقت فرشتوں کی طرف سے کسی کمال پر مبنی نہیں، اس لیے کہ ان کے اندر نفسانی خواہشات رکھی ہی نہیں گئیں۔ وہ اگر گناہ کرنا بھی چاہیں تو ان میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے نہ انھیں بھوک پیاس لگتی ہے، نہ انھیں نیند اور اونگھ آتی ہے اور نہ کوئی دوسری نفسانی خواہش ان کے دل میں آتی ہے۔ جس کام کے لیے انھیں متعین کردیا گیا وہ اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ خلاف انسان کے، کہ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا میں ایسی مخلوق پیدا کررہا ہوں جس میں ہر قسم کے تقاضے ہوں گے، نیکی کے بھی اور بدی کے بھی، بھوک اور پیاس کے بھی اور جنسی

خواہشات کے بھی، لیکن اس مخلوق کا کمال یہ ہوگا کہ وہ اپنی ان خواہشات اور جذبات کو قابو میں رکھ کر جب میری عبادت کرے گی تو پھر یہ مخلوق تم سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔ تم اگر چہ ہر وقت تسبیح وتقدیس اور عبادت میں لگے ہوئے ہو لیکن یہ انسان ایسا ہوگا کہ اس کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوگا اور آرام دہ بستر اس کو خواب راحت کے مزے لینے کی دعوت دے رہا ہوگا اس کے باوجود جب یہ اس بستر کو چھوڑ کر میری یاد اور ذکر وعبادت کی خاطر کھڑا ہو کر مجھے پکارے گا تو اس وقت یہ تم سے بھی بازی لے جائے گا۔ انھی لوگوں کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًاوَّطَمَعًا﴾

”ان کے پہلو اپنے بستروں سے جدا ہوتے
ہیں۔ وہ اپنے پروردگار کو خوف اور طمع کی حالت
میں پکارتے ہیں“ (سورہ السجدہ آیت نمبر 16)

انھیں خوف تو اس بات کا ہوتا ہے کہ پتہ نہیں یہ عمل اللہ کے یہاں مقبول بھی ہے یا نہیں ؟ اور امید اس بات کی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے مجھ پر فضل فرمادیں۔

نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾

"رات کے حصے میں یہ لوگ کم سوتے
ہیں اور صبح کے وقت میں استغفار کرتے
ہیں" (سورہ الذریت آیت نمبر ۷ اور ۱۸)

پس اصل مقصد یہ ہوا کہ خواہشات کا یہ پتلا اپنے پروردگار کی بندگی کے لیے تیار ہو اور دیگر احکامات کی بجا آوری بھی کرتا رہے۔ اس لیے عبادت کی اہمیت کو کسی طرح کم نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان عبادات کو صحیح طور پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادیں تو یہی عبادات نہ صرف یہ کہ انسان کی زندگی کے مقصد کو پورا کرتی ہیں بلکہ انسان کو نفس اور شیطان سے مقابلہ کرنے کی توانائی بھی بخشتی ہیں۔

عبادات کی دو قسمیں

اب یہ سمجھیے کہ عبادات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ جنھیں انجام دینا ضروری ہے جیسے فرائض اور واجبات، اور کسی درجے میں اس کے اندر سنن موکدہ بھی داخل ہیں۔ اور دوسری قسم نفلی عبادات کی ہے یعنی اگر کوئی ان عبادات کو انجام دے تو ثواب پائے اور نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔

یہ باب اسی دوسری قسم کی عبادات کے بیان میں ہے کہ نوافل بھی انسان کو اپنے معمولات میں کسی حد تک شامل کرنے چاہئیں۔ اور تجربہ ہے کہ نوافل کو اپنے معمولات میں داخل کیے بغیر انسان کو نفس اور شیطان سے مقابلہ کرنے کی پوری طرح قوت حاصل نہیں ہوتی۔

نوافل اللہ کی محبت کا حق

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض اللہ کی عظمت کا حق ہیں جنہیں انجام دینا ضروری ہے اور نوافل اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں۔ جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو انسان صرف قانونی تعلقات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس سے آگے بھی بڑھ کر ملتا ہے۔ مثلاً شوہر اور بیوی کا ایک تعلق ہے، اگر خاوند صرف قانونی تعلقات پورے کرے مثلاً مہر ادا کر دے اور نفقہ دے دیا کرے لیکن میاں بیوی جس طرح رہتے ہیں اس طرح نہیں رہتا تو وہ شخص اگرچہ قانونی تقاضا پورا کر رہا ہے لیکن محبت کا تقاضا پورا نہیں کر رہا جو اصل درکار ہے۔
کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کچھ اور ہے درکار میری تشنہ لبی کو
ساقی سے میرا واسطہ جاں نہیں ہے

اسی طرح ایک شخص صرف فرائض وواجبات ادا کرتا ہے تو اس کا اگرچہ اللہ سے قانونی تعلق ہے لیکن یہ تعلق خشک اور کھردرا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو اپنے معمولات میں نوافل کو بھی شامل کر لیتا ہے کہ وہ محبت کے تقاضے کو بھی پورا کرنے والا ہوتا ہے۔

نوافل کی کثرت کرنے والا اللہ کا قریبی ہے

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
"میرا بندہ نوافل کی جتنی کثرت کرتا

جاتا ہے اتنا ہی میرے قریب ہوتا جاتا
ہے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے
کہ میں ہی اس کی زبان بن جاتا ہوں، جس
سے وہ بولتا ہے اور میں ہی اس کا پاؤں بن
جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے"

(رواہ البخاری باب التواضع ص ۹۶۳ ج ۲)

یعنی بندہ کی زبان پر وہی بات جاری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

"تم جس شخص کو نوافل کی کثرت کرتے دیکھو
تو اس کے قریب ہو جاؤ (یعنی اس کی صحبت
حاصل کرو) کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف
سے حکمت کی باتیں القاء کی جاتی ہیں"۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ وابی خلاد بحوالہ مشکوۃ ص ۴۴۶ ج ۲)

عبادت کی کثرت

اس باب کی پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔

﴿عن الحسن قال قال رسول
الله ﷺ رحم الله قوما يحسبهم
الناس مرضا وماهم بمرضا قال
الحسن جهد تهم العبادة﴾

"حضرت حسن بصریؒ رسول اللہ ﷺ کا
ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا
اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی رحمت نازل
فرمائے۔ جنھیں دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ
یہ بیمار ہیں' حالانکہ حقیقت میں وہ بیمار نہیں
ہوتے۔ حضرت حسن بصریؒ اس کی تشریح
فرماتے ہیں کہ عبادت کی کثرت نے ان کے
جسم پر ایسا اثر ڈالا ہے"

نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ اعبدوا اللہ تعالیٰ حتی یقال انہ مجنون ﴾

"اللہ کی اتنی عبادت کرو کہ لوگ تمہیں
مجنوں اور دیوانہ کہنے لگیں"

(رواہ احمد والحاکم فی صحیحہ بحوالہ فضائل ذکر ص ۳۷)

آج کل طعنہ دیا جاتا ہے کہ مولویوں کی عقلیں خراب ہو گئی ہیں کہ دنیا کے مال و دولت اور شان و شوکت کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے معاملات میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں انسان کو یہ طعنے اپنے لیے خوشخبری سمجھنے چاہئیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی اطاعت اور عبادت میں جب تمھیں دیوانہ کہا جانے لگے تو یہ اللہ کے یہاں، مقبولیت کی علامت ہے۔ اس لیے ان طعنوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

عبادت میں مشغول شخص کے پاس رک جاؤ

حضرت کعبؓ ایک مرتبہ کہیں سے گذر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں مشغول ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت کعبؓ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے اور اس کی تلاوت اور دعاؤں کو سننے لگے۔ اب بظاہر تو اس شخص کے پاس ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اس لیے کہ وہ اپنی عبادت میں مشغول تھا اور یہ اپنے سفر پر جا رہے تھے' انھیں یہاں رک کر اپنی منزل کھوٹی کرنے کی کیا ضرورت؟ لیکن وہ یہ سوچ کر رک گئے کہ جو انسان اللہ کی عبادت میں مشغول ہو' اس کے پاس تھوڑی دیر کھڑے ہو کر اس کی بات سن لینا بھی بعض اوقات انسان کے لیے فائدہ مند ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں یہ اللہ کا کیسا مقبول بندہ ہو؟ اور اس پر اللہ کی رحمت کی بارش کیسے برس رہی ہو؟ میں بھی اگر تھوڑی دیر کے لیے رک گیا تو ہو سکتا ہے کہ رحمت کی اس بارش کا ایک چھینٹا مجھ پر بھی پڑ جائے۔ یہی سبق دینے کے لیے حضرت کعبؓ اس شخص کے پاس رکے۔

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ جب میں کہیں سے گذر رہا ہوتا ہوں اور اس جگہ کسی کا وعظ ہو رہا ہو خواہ وہ واعظ کتنا ہی معمولی آدمی ہو لیکن میں تھوڑی دیر کے لیے اس کے پاس ضرور رک جاتا ہوں تاکہ اس کی بات اس نیت سے سن لوں کہ شاید اس کے منہ سے کوئی کلمہ ایسا نکل جائے جو میرے دل پر اثر انداز ہو جائے اور اللہ تعالیٰ مجھے اس سے فائدہ پہنچا دے۔ جیسا کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک جملہ انسان کی زندگی کی کایا پلٹنے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

ایک جملہ نے زندگی بدل ڈالی

حضرت محمد بن مسلمہ قعنبیؒ جو کہ بڑے درجے کے محدثین میں سے ہیں اور ابو داؤد میں ان کی بہت سی مرویات ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص جس کا نام شعبہ تھا جو بعد کے بہت بڑے محدث ہوئے لیکن ابتدائی دور میں ایک آوارہ قسم کے اور فسق وفجور میں مبتلا آدمی تھے' انھوں نے دیکھا کہ ایک محدث گھوڑے پر سوار آرہا ہے۔ خدا جانے اس کے دل میں کیا داعیہ پیدا ہوا کہ اس نے آگے بڑھ کر ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور بد تمیزی سے کہنے لگا یا شیخ! مجھے کوئی حدیث سنا دیجیے! انھوں نے کہا حدیث سننے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا' پھر کسی وقت سن لینا۔ اس نے کہا نہیں! میں ابھی سنوں گا چاہے صرف ایک حدیث سنادو۔ حضرت محمد بن مسلمہ کو غصہ تو بہت آیا لیکن سوچا کہ ایک ایسی حدیث حدیث سنادوں جو اس کے موقع کے لحاظ سے مناسب ہو چنانچہ انھوں نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت ﴾

"جب تیرے اندر سے حیا نکل جائے تو جو

چاہے کر" (صحیح البخاری باب اذالم تستحی ص ۹۰۴ ج ۲)

شعبہ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ حدیث میرے کانوں میں پڑی' اس کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ حدیث حضور ﷺ نے میرے ہی بارے میں ارشاد فرمائی ہے۔ اور ایسی چوٹ لگی کہ دل میں اپنی سابقہ

زندگی سے توبہ کرنے کا عزم کر لیا اور توبہ کر لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ مقام بخشا کہ آج شعبہ بن حجاج کو امیر المومنین فی الحدیث، کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایک جملہ بھی انسان کی زندگی کو بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اس لیے میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ نے اس بات کے ساتھ ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جب کوئی شخص مولوی اور واعظ بن جاتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ میں تو وعظ کہنے کے لیے ہی پیدا ہوا ہوں۔ وعظ سننے کے لیے تو پیدا نہیں ہوا۔ اس لیے وہ کسی کا وعظ سننے میں کسر شان سمجھتا ہے۔ اس لیے تم اپنے دل سے یہ بات نکال دو اور جہاں کہیں نیکی کی بات ہو رہی ہو اور اسے سننے کا موقع بھی ہو تو اسے اس نیت سے سنو کہ شاید اللہ کی رحمت سے کوئی بات میرے دل میں اتر کر اثر انداز ہو جائے اور میری زندگی کی تبدیلی کا سبب بن جائے۔ آج ایسی مثال ملنا مشکل ہے کہ پاکستان کا مفتی اعظم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) ایک معمولی واعظ کا وعظ سن رہا ہے کہ شاید خیر کا کوئی کلمہ اثر کر جائے۔ یہی وہ مقام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور مقبول بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔

موت سے پہلے عبادت کر لیجیے

غرضیکہ حضرت کعبؓ اس کی تلاوت اور دعاؤں کو سننے کے بعد جب آگے بڑھے تو فرمایا ’شاباش ہے ان لوگوں کو جو اپنے اوپر قیامت کے دن سے پہلے رو لیں کیونکہ اگر پہلے نہ رو سکے تو قیامت کے دن رونا پڑے گا جو کوئی کام نہ دے گا۔ مطلب یہ کہ یہ بندہ جو اللہ کے سامنے خشوع و خضوع کا بہترین عمل کر رہا ہے

اور وقت آنے سے پہلے اللہ کے سامنے مناجات کر رہا ہے کامیاب شخص ہے۔
اور قرآن حکیم میں بھی بار بار تاکید کی گئی ہے کہ موت کا وقت آنے سے پہلے عمل صالح کر لو چنانچہ ارشاد باری ہے۔

﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ
اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ
اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾

"اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرو
قبل اس کے کہ تم پر موت آجائے اور تم کہو کہ
اے اللہ مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دیجیے کہ
دوبارہ دنیا میں جا کر صدقہ خیرات کر کے اور
اعمال صالحہ اپنا کر نیکوں میں شمار کیا جاؤں"

(سورہ المنٰفقون آیت ۱۰)

لیکن یاد رکھیے!

﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ
اَجَلُهَا﴾

"جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو
اللہ تعالیٰ اس کی میعاد میں توسیع نہیں
فرماتے" (سورہ المنٰفقون آیت ۱۱)

لہٰذا پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر توبہ کر لے اور عبادات میں مشغولیت اختیار کر لے تو یہ قابل تعریف ہے۔

نوافل کی کثرت نے جنتی کا درجہ بڑھادیا

اس باب کی اگلی حدیث یہ ہے

﴿قال رسول الله ﷺ ان الدرجة فی الجنة فوق الدرجة کمابین السماء والارض وان العبد لیرفع بصره فیلمع له برق یکاد یخطف بصره فیقول ماهذا فیقال له هذا نور اخیك فیقول اخی فلان کنا نعمل فی الدنیا جمیعا وقد فضل علی هکذا قال فیقال له انه کان افضل عملا ثم یجعل فی قلبه الرضاحتی یرضی﴾

"جنت میں اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے لیے جو درجات رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان زمین و آسمان کے مابین جتنا فاصلہ ہے۔ جنت میں ایک شخص اپنے درجے کے اندر بیٹھا ہوگا' وہ اپنی نگاہ اوپر کی طرف اٹھائے گا تو اسے ایسا لگے گا جیسے بجلی چمکی

اس سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ وہ
گھبرا کر پوچھے گا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو اسے جواب
دیا جائے گا کہ یہ تمہارے فلاں بھائی کا نور ہے
(جس بھائی کا درجہ تم سے بلند ہے) تو وہ حیران
ہو کر کہے گا کہ ہم تو دنیا میں اکٹھے رہتے تھے اور
ہمارا عمل بھی ایک جیسا تھا پھر کیا وجہ ہوئی کہ وہ
اتنے بلند درجے پر پہنچ گیا۔ تو اسے جواب دیا
جائے گا کہ اس کا عمل تیرے عمل سے افضل تھا
اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے
پھر اس شخص کے دل میں اسی درجے پر رہنے
کے لیے رضامندی ڈال دی جائے گی یہاں تک
کہ وہ راضی ہو جائے گا"

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اپنے عمل کو بڑھانا مقدار اور کیفیت دونوں اعتبار سے مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اسی لیے بنائی ہے کہ انسان اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

﴿وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾
"اور حرص کرنے والوں کو اسی میں
حرص کرنی چاہیے" (سورہ المطففین آیت نمبر ۲۶)

یعنی یہ جو تم دنیاوی سازو سامان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں ہو، یہ چیزیں اس لائق نہیں کہ ان میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے بلکہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا مقابلہ تو آخرت کی نعمتوں میں ہونا چاہئے چنانچہ ارشاد باری ہے۔

﴿سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾

"اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی
طرف دوڑ لگاؤ جس کا عرض آسمان وزمین
کے برابر ہے" (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۳)

حضرت مسروقؒ کی نفلی عبادت

اس باب کی اگلی حدیث ایک تابعیؒ کی حالت سے متعلق ہے۔

﴿ عن امرأة مسروق قالت ماكان
مسروق يوجد الاوساقاه قد انتفختا من
طول الصلوة قالت والله ان كنت
لا جلس خلفه فابكى رحمة له ﴾

"حضرت مسروقؒ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ میں نے
ساری زندگی مسروق کی پنڈلیوں پر ورم ہی دیکھا۔

اور فرماتی تھیں کہ جب وہ رات کو تہجد کی نماز
کے لیے کھڑے ہوتے تو میں بعض اوقات ان
کے پیچھے بیٹھی ہوتی تھی' ان کے قیام کو دیکھ کر
مجھے رونا آجاتا تھا"

حضرت مسروق بن الاجدع کوفہ کے مشہور فقہاء و محدثین تابعین میں سے ہیں۔ عربی میں مسروق کا معنی ہے چوری کیا ہوا' چونکہ انھیں بچپن میں کوئی اغوا کر کے لے گیا تھا اس لیے ان کا لقب مسروق ہو گیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور اصلی نام کو سب لوگ بھول گئے۔ ان کی اہلیہ صاحبہ نے ان کی عبادت کا یہ نقشہ کھینچا ہے جو نوافل میں کثرت اہتمام کا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کثرت اہتمام نوافل

اس باب کی اگلی حدیث ایک مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کثرت اہتمام نوافل سے متعلق ہے جس کے راوی ان کے بیٹے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

﴿اذا هدأت العيون قام فسمعت له
دما كدم النحر حتى يصبح﴾

"کہ جب لوگ سونے کے لیے بستروں پر جا کر لیٹ
جاتے' میں ان کے بستر کے قریب ہونے کی وجہ
سے ان کی آواز سنتا تھا' ایسا لگتا تھا جیسے شہد کی مکھی
کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اور یہ آواز ساری رات

آتی رہتی تھی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔(گویا ساری
رات اللہ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے)"

آج آپ اور ہم ان کی احادیث اور فقہ سے تو واقف ہیں اور انھیں 'افقہ الصحابہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اور انھیں کے فتاوی پر مذہب حنفی کی بنیاد ہے۔لیکن ان کی عبادت سے بہت کم لوگ واقف ہیں حالانکہ وہ تو آیت قرآنی 'تتجافی جنوبهم عن المضاجع' کے پورے مصداق ہیں۔

ساری عمر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ وہ تہجد کی نماز باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ایک مرتبہ کہیں سے گذر رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے ان کے بارے میں کہا یہ وہ شخص ہے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے۔ حالانکہ امام صاحبؒ اس وقت عشاء کے وضو سے فجر کی نماز نہیں پڑھتے تھے لیکن جب اس بڑھیا سے سنا تو غیرت آگئی کہ اللہ کی یہ بندی میرے بارے میں یہ گمان رکھتی ہے کہ میں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتا ہوں۔چنانچہ اسی دن سے یہ عہد کر لیا کہ آئندہ اب میں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کروں گا پھر اس کے بعد ساری عمر یہی معمول رہا۔

حضرت معاذہ عدویہؒ کی نماز

اور یہ بھی یاد رکھیں! کہ ایسا اہتمام صرف مردوں ہی میں نہیں پایا جاتا

بلکہ اس سلسلے میں عورتوں کا بھی کچھ کردار ہے۔ چنانچہ حضرت معاذہ عدویہؒ جو بڑے درجے کی اولیاء اللہ تابعین خواتین میں سے ہیں ان کا ایک مقولہ مشہور ہے۔

﴿انی اعجب من اعین تنام علی المرجع
وتعلم دون رکابها فی القبور﴾

"مجھے ان آنکھوں پر تعجب ہے جو رات کو سو جاتی ہیں حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ قبر میں جا کر سونا ہی سونا ہے"

نیز ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور چوبیس گھنٹے میں ان کی نمازوں کا اوسط چھ سو رکعتیں ہوتا تھا۔

حضرت محمد بن سیرین کی گریہ وزاری

حضرت محمد بن سیرینؒ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بڑے ظریف المزاج اور شگفتہ آدمی تھے۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ دن کے وقت تو ہم ان کے ہنسنے کی آواز سنتے تھے لیکن رات کے وقت ان کے رونے کی آواز سنتے تھے۔

حضور ﷺ کی تہجد

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ آپ ﷺ کے قدم

مبارک تھک گئے اور ان سے خون رسنے لگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ ہوں؟ (صحیح البخاری باب قیام النبی ﷺ ص ۱۵۲ ج ۱) جب اس نے میرے سارے گناہ معاف کر دیئے تو پھر محبت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ میں بھی اتنی ہی زیادہ محنت اور عبادت کروں۔

حضرت عبداللہ بن الشخیرؓ فرماتے ہیں۔

﴿اتیت رسول ﷺ وھو یصلی ولجوفه ازیز کازیز المرجل﴾

"ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے بطن مبارک سے ہانڈی پکنے کی طرح آواز آ رہی تھی"

(شمائل الترمذی باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ ص ۲۳)

مطلب یہ کہ نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے اور گریہ وزاری کی وجہ سے اس قسم کی آواز نکلتی تھی۔ اس کے بعد صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اس طریقے کو اپنانے کی بھرپور کوشش کی اور امت کو عمل کر کے دکھلایا۔

آپ ﷺ کی طویل نماز

اس باب کی اگلی حدیث چونکہ طویل ہے اس لیے میں اس کا خلاصہ

عرض کردیتا ہوں۔

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رات کو آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ ﷺ نے تکبیر کہی تو یہ کلمات بھی فرمائے "ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة" (رواہ ابوداود) اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت شروع کی اور ایک رکعت میں پوری سورہ بقرہ پڑھی۔ اس کے بعد اتنا ہی طویل رکوع کیا جتنی طویل قرأت کی تھی اور رکوع میں " سبحان ربی العظیم" پڑھتے رہے، پھر رکوع سے سر اُٹھایا اور رکوع کے برابر طویل قومہ کیا اور اُس میں "لربی الحق" پڑھتے رہے۔ پھر اتنا ہی طویل سجدہ کیا اور اُس میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے رہے۔ پھر جلسہ میں اتنی دیر بیٹھے رہے جتنی دیر میں سجدہ کیا تھا، اور اس میں "رب اغفرلی" پڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک رکعت اسی طرح پوری فرمائی پھر دوسری رکعت میں سورہ آل عمران، تیسری میں سورہ نساء اور چوتھی میں سورہ مائدہ پڑھی یعنی چار رکعتوں میں سوا چھ پارے اسطرح تلاوت فرمائے کہ ان میں رکوع، قیام، سجدہ، جلسہ اور قرأت وغیرہ یکساں طویل تھے، اس حدیث کو سن کر بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا کرنا تو ہمارے بس سے باہر ہے یاد رکھیں! کہ یہ مسلمانوں کو غیرت دلانے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بھی انسان بنا کر بھیجا تھا اور ہماری طرح انسانی تقاضے آپ ﷺ کے ساتھ بھی وابستہ تھے لیکن سب سے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اتنی طویل عبادت فرماتے تھے۔ تو اگر ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کچھ نہ کچھ تو کر ہی لیں۔ اور دوسری بات یہ کہ اس حدیث میں رات کی نماز کا ادب بیان کر دیا گیا ہے کہ قیام، قرات، رکوع، سجدے وغیرہ طویل کئے جائیں۔

عبادت میں کون سی صورت بہتر ہے؟

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو تہجد کی نماز کے لیے مثلاً ایک گھنٹہ ملتاہے تو اب اسمیں وہ رکعتیں کثیر پڑھے یا رکعتیں کم پڑھے اور قرأت طویل کرے، ان میں سے کون سی صورت زیادہ بہتر ہے؟یاد رکھیں!اس پر قول فیصل یہ ہے کہ اپنا معمول تو پورا کرنا ضروری ہے اور اس میں یہ نہ سوچے کہ وقت ابھی زیادہ ہے اس لیے میں زیادہ رکعتیں پڑھ لوں، بلکہ قیام و قرأت وغیرہ طویل کرے۔ تہجد کی نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے لیکن اگر وہ یاد نہ ہوں تو ایک ہی رکعت میں چھوٹی دس سورتیں یا اس سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ نیز یہ بھی گنجائش ہے کہ ایک رکعت میں ایک ہی آیت یا سورۃ کو بار بار پڑھ لیا جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ساری رات ایک آیت پڑھتے ہوئے گزار دی جو یہ تھی۔

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

"(اے اللہ!) اگر آپ انھیں عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ معاف کر دیں تو آپ ہی زبر دست حکمت والے ہیں" (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۱۸)

نیز رکوع اور سجدہ کو بھی قیام کے برابر طویل کرے اور رکوع و سجود میں یہ بھی جائز ہے کہ سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کی ایک مقدار پڑھنے کے بعد ادعیہ ماثورہ مانگ لے جیسے۔

﴿ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة

حسنة وقنا عذاب النار ﴾

اسی طرح آٹھ رکعتیں پڑھنا زیادہ رکعتوں کے پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے جب کہ مندرجہ بالا ہدایات کی پیروی کی جائے۔

امامت کی نماز میں تخفیف کا حکم

جب کہ عام نمازوں کے بارے میں حضور ﷺ کا یہ معمول نقل کیا گیا ہے کہ اتنی ہلکی پھلکی نماز پڑھاتے تھے کہ ضعیف ترین شخص کو بھی مشقت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

﴿ من ام منکم فلیخفف صلوته ﴾

"تم میں سے جو کوئی امامت کرائے وہ اپنی نماز کو ہلکا کر دے" (صحیح مسلم باب امر الائمہ بتخفیف الصلوۃ ص ۳۴۱، ۳۴۲ ج ۱)

کیونکہ نماز میں ضعیف' بیمار اور بوڑھے وغیرہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اب اگر وہاں سورہ البقرہ شروع کر دی جائے تو لوگوں کو کتنی تکلیف ہو گی۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یہاں تک فرما دیا۔

﴿انی لاسمع بکاء الصبی فاخفف الصلوة﴾

"بعض اوقات نماز پڑھتے پڑھتے بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے تو میں اپنی نماز کو ہلکا کر دیتا ہوں۔ (تاکہ اس کی ماں پریشان نہ ہو جائے)"

(صحیح مسلم باب مذکورہ ص ۳۴۳ ج ۱)

حاصل یہ ہے کہ ﷺ تنہائی میں نماز کو طویل فرماتے تھے اور

امامت میں نماز کے اندر تخفیف فرماتے تھے۔ جب کہ آج معاملہ بالکل برعکس ہے کہ لوگوں کے سامنے تو لمبی چوڑی نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور تنہائی میں جلد از جلد فارغ ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تہجد کی عبادت ایک سلطنت ہے

تہجد کی نماز کے بارے میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔

زانکہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب
من ملک نیم روز بدانکہ نمی خرم

کہ جب سے مجھے رات کی یہ بادشاہت ملی ہے اس وقت سے میں نیم روز کی سلطنت ایک دمڑی میں خریدنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رات کی نماز میں جو لذت اور کیف عطا فرمایا ہے۔ اگر دنیا کے بادشاہوں کو پتہ لگ جائے کہ یہ مزے اڑا رہے ہیں تو وہ ہمارے پاس تلواریں سونت سونت کر آئیں اور ہم سے یہ مزہ چھین کر خود حاصل کرنے کی کوشش کریں، لیکن انہیں اس مزے کی ہوا بھی نہ لگی'

نماز تہجد کا عادی بننے کا سہل ترین نسخہ

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ تہجد کی نماز کا عادی بنادیتے ہیں وہ تو اللہ کے فضل سے اس وقت کی برکات حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے بہت سے کمزور لوگ وہ بھی ہیں جو اس نماز کے عادی نہیں ہیں اور رات کے وقت اٹھنا انھیں کسی وجہ سے بھاری معلوم ہوتا ہے۔

اگر چہ دل چاہتا ہے لیکن عادت نہ ہونے کی وجہ سے اٹھ نہیں پاتے، ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ دو کام کرے' اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے یا تو تہجد کی توفیق عطا فرمادیں گے۔ یا اس کی کچھ نہ کچھ برکت ضرور عطا فرمائیں گے۔ (۱) عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سنتوں اور وتر کے درمیان چار رکعت نماز تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کرے۔ (۲) طے کرلے کہ رات کے جس حصے میں بھی میری آنکھ کھلے گی تھوڑی دیر کے لیے بستر سے اٹھ جاؤں گا۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گذر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت دنیا پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالی کا منادی پکار پکار کر کہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت مانگنے والا میں اس کی مغفرت کردوں' ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دے دوں، ہے کوئی مبتلائے آزار کہ میں اس کی مصیبت دور کردوں، پھر یہ نداء ساری رات ہوتی رہتی ہے۔ بس وہ یہ سوچ کر اٹھے کہ میں اس منادی کو جواب دوں گا اور بستر پر اٹھ کر بیٹھ جائے اور خواہ وضو اور نماز کے بغیر ہی اپنی قضاء حاجات کی دعا مانگ لیا کرے، اور اسی میں یہ دعا بھی مانگ لیا کرے کہ یا اللہ! مجھے صلوۃ اللیل کی توفیق عطا فرمادیجیے، اس کے بعد سو جائے۔

اگر اس عمل کو کوئی شخص باقاعدگی سے کرتا رہے تو انشاء اللہ صلوۃ اللیل سے محروم نہیں ہوگا اور کبھی نہ کبھی اس کی توفیق ہو ہی جائے گی۔ اور اگر بالفرض اس کی توفیق نہ ہوئی تب بھی اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اسے صلوۃ اللیل کی برکات سے محروم نہیں فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اتباعِ سُنّت کی برکات

﴿اتباعِ سنت کی برکات﴾

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الاّ اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیّدنا و سندنا و مولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی الہ واصحابہٖ وبارک وسلّم تسلیمًا کثیرًاO اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشّیطن الرّجیمO بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (آیت نمبر۳۱ پ۳ سورۃ ال عمران)

امنت باللّٰہ صدق اللّٰہ العظیم

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اجتماع کا مقصد اپنی اصلاح کی فکر

پہلے بھی یہ بات بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے ماہانہ اجتماع کا مقصد اپنی اصلاح کی کوشش اور اسکی فکر ہے، یہاں کوئی معلم اور متعلم نہیں۔ اور جمع ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کچھ دیر کے لیے اپنی اصلاح کے بارے میں سوچے اور اپنی آخرت کی تیاری کی فکر کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بعض اوقات ایک دوسرے سے ملتے تو ایک صحابیؓ دوسرے صحابیؓ سے کہتے " کہ آیئے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھیں اور ایمان کی بات کریں"۔ مقصد یہی تھا کہ صبح شام کی زندگی میں ہم لوگ ایسے کاموں میں مصروف رہتے ہیں جو دنیا کے کام کہلاتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ اللہ جل جلالہ کے سامنے کیسے پیشی ہو گی اور اس کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے؟ اس کے لیے کس تیاری کی ضرورت ہو گی؟ اس کا خیال صبح شام کی مصروفیت میں بہت کم لوگوں کو آتا ہے۔

اصلاح کے لیے پہلا کام "توبہ واستغفار"

اب سے دو ماہ پہلے کی مجلس میں میں نے توبہ اور استغفار کے متعلق عرض کیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کوئی شخص اپنی اصلاح کے لیے قدم بڑھائے تو سب سے پہلا کام جو اسے کرنا ہوتا ہے وہ ہے توبہ اور استغفار۔ یعنی اپنی سابقہ زندگی میں جو کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں' جو گناہ سرزد ہوئے' ان سے اللہ

کے حضور معافی مانگے۔ اور پہلے اجتماع میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ ایک توبہ اجمالی ہوتی ہے اور دوسری تفصیلی۔ اپنی اصلاح کے کام میں سب سے پہلا قدم انسان کا یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ماضی کی غلطیوں سے اللہ کے حضور معافی طلب کرے اسی کا نام اجمالی توبہ ہے اور یہ سب سے پہلا قدم ہے۔
جب ایک مرتبہ اجمالی توبہ ہو جائے تو پھر تفصیلی توبہ یہ ہے کہ اپنے ذمے اللہ کے بندوں کے جو حقوق ہیں ان کو حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کرے، اور جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اُنکی تلافی کی کوشش کرے۔ جب یہ کام ہو جائے تو آدمی پچھلی زندگی کا حساب توبہ و استغفار کے ذریعے صاف کر لے۔ اللہ جل جلالہ نے صاف کرنا انتہائی آسان بنادیا ہے کہ ایک مرتبہ انسان سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے تو پچھلا حساب صاف ہو جاتا ہے۔

روحانی علاج کے مختلف طریقے

اپنی اصلاح کرنے کے لیے بزرگانِ دین نے مختلف طریقے تجویز کیے۔ ہر طریقہ اپنی جگہ پر درست ہے اور منزل پر پہنچانے والا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیساکہ جسمانی طور پر آدمی بیمار ہو جائے تو اس بیماری کا علاج مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ اپنی بیماری کا علاج کروانے کے لیے حکیموں کے پاس جاتے ہیں، بعض لوگ ایلو پیتھک ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں، بعض ہومیو پیتھک سے اور بعض لوگ دوسرے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح جسمانی بیماریوں کے علاج مختلف ہیں اور ہر طریقہ اپنی جگہ پر درست ہے۔ مثلاً ایک

آدمی کو نزلہ 'بخار ہوا وہ حکیم کے پاس جائے گا وہ اس کو جوشاندہ پلا کر اس کا علاج کرے گا۔ڈاکٹر کوئی گولی دے گا جس سے نزلہ بخار کا علاج کرے گا۔ مقصد دونوں ذرائع سے علاج ہی ہے لیکن راستے الگ الگ ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے روحانی علاج کا معاملہ بتایا کہ اگر انسان کو دینی اعتبار سے اپنی اصلاح کرنی ہے اور اپنے آپ کو روحانی بیماریوں سے پاک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جو طریقۂ زندگی مطلوب ہے وہ حاصل کرنا ہے تو اس اصلاح کی خاطر بھی لوگوں نے علاج کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔

تصوف میں چار سلسلے اور اس کی وجہ

چنانچہ تصوف میں چار سلسلے ہوتے ہیں۔ چشتیہ 'نقشبندیہ 'سہروردیہ اور قادریہ۔ یہ چار سلسلے بزرگان دین نے اپنے تجربے کے مطابق جو راستہ انسان کی اصلاح کے لیے زیادہ مؤثر سمجھا اس کو متعین کر دیا۔ حضرت شہاب الدین سہرورویؒ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ساری عمر انھوں نے اسی کام میں صرف کی' انھوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں انسان کی اصلاح کے لیے جو راستہ زیادہ موثر سمجھا اس کو اپنے مریدین کے لیے طے کر دیا وہ سہروردی طریقہ کہلایا۔ حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ نے اپنے تجربات کی روشنی میں جو اصلاح کا طریقہ زیادہ بہتر سمجھا اس کو مریدین کے لیے طے کر دیا اور وہ چشتی طریقہ کہلایا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جو طریقہ اپنے مریدین کے لیے تجویز کیا اس کو قادری طریقہ کہہ دیا گیا۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ یہ

بھی بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں انھوں نے اپنے مریدین کے لیے جو طریقہ تجویز کیا اس کو نقشبندی طریقہ کہا گیا۔ یہ چار مختلف طریقے ہیں جو چار دین نہیں ہیں اور نہ ہی چار الگ مذہب ہیں بلکہ ایک ہی منزل پر پہنچنے کے لیے چار مختلف راستے ہیں۔ اور چاروں میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ اگر اس کو اختیار کر لیا جائے تو اصلاح کی منزل حاصل ہو جاتی ہے۔

ان چاروں سلسلوں کے کچھ آداب ہیں

ان چاروں طریقوں کے کچھ آداب ہیں اور ان کے کچھ اپنے تقاضے ہیں۔ جو طریقے ان حضرات نے وضع کیے تھے وہ اس دور کے تھے کہ جب انسان کی زندگی اتنی پیچیدہ اور اتنی مصروف نہیں ہوئی تھی جیسی کہ آج ہمارے زمانے میں ہے۔ اُس زمانے میں جب کوئی شخص اپنی اصلاح کے لیے قدم بڑھاتا تو ان حضرات کے ہاں بڑے بڑے مجاہدات کرائے جاتے تھے' بڑی بڑی محنتیں کرنی پڑتی تھیں۔ جس سے انسان کا نفس کچلا جائے اور خواہشات نفس جو اس کو گناہ پر ابھارتی ہیں وہ مسلی جائیں تاکہ وہ نفس قابو میں آجائے۔

اصلاح باطن کا ایک عجیب واقعہ

حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ جو گنگوہ کے بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور نہ جانے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کتنے لوگوں کی اصلاح فرمائی۔ جب تک وہ زندہ تھے تو ان کے صاحب زادے نے زیادہ توجہ نہیں

دی۔ لیکن جب ان کا انتقال ہو گیا تو اچانک خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے گھر میں اتنی بڑی نعمت دے رکھی تھی۔ ساری دنیا کے لوگ ان سے سیراب ہوتے چلے گئے، جن میں کوئی کسی مقام پر پہنچا اور کوئی کسی مقام پر اور میں نے اپنے باپ سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ صاحب زادے کے دل میں خیال آیا کہ اب اس کا راستہ یہی ہے کہ میرے والد صاحب نے جن لوگوں کو اپنا خلیفہ بنایا ہے ان میں سے کسی کے پاس جا کر ان سے اپنی اصلاح کراؤں۔ معلوم ہوا کہ والد صاحب کے خلفاء میں سب سے بڑے خلیفہ 'بلخ میں رہتے ہیں۔ خود گنگوہ میں رہتے تھے اور بلخ ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا۔ لیکن دل میں اصلاح کی سچی طلب پیدا ہوئی تھی اس واسطے سفر کر کے پہنچے۔ جب شیخ کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے صاحب زادے آرہے ہیں تو انھوں نے بڑی شان و شوکت سے باہر نکل کر اور اپنے مریدین کا لاؤ لشکر لے کر بڑے شاہانہ انداز میں استقبال کیا اور انکو لے کر آئے اور بڑے اعلیٰ درجے کے کھانے اور دعوتیں کیں، پھر صاحبزادے نے کہا حضرت آپ نے میری بڑی عزت افزائی فرمائی اور بڑی خاطر مدارات کی، لیکن در حقیقت میرے آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ جو کچھ دولت آپ میرے والد سے لے کر آئے ہیں اس کا کچھ حصہ مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ شیخ نے کہا اگر مقصد یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرانی ہے تو آج سے یہ شان و شوکت خاطر مدارات سب ختم۔ اب آپ کا کام یہاں مسجد کے کنارے پر جو حمام بنا ہوا ہے لوگ اس سے آکر وضو کرتے ہیں، اس حمام کو دھونکنا ہے، یعنی اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگانا ہے تاکہ لوگوں کے وضو کے لیے پانی گرم کیا جائے۔ یہ چونکہ اس کام کے لیے آئے تھے جا کر وہاں بیٹھ گئے۔

لیکن صاحبزادے چونکہ نواب گھرانے کے تھے اور حمام کے اوپر بیٹھ کر حمام

دھونکنا یہ ساری عمر کبھی نہ کیا تھا، پھر بھی اصلاح کی خاطر سارے کام کرنے شروع کر دیے۔ جب کچھ دن گزر گئے تو شیخ نے جمعدارنی جو کچرا اٹھایا کرتی تھی اس سے کہا کہ تم ایسا کرنا کہ اپنے کچرے کا بھرا ہوا ٹوکرا لے کر اس کے پاس سے گزرنا اور پھر یہ بتانا کہ اس نے کیا کیا؟ جمعدارنی کوڑے کا ٹوکرا لے کر قریب سے گزری تو انھوں نے کہا تیری یہ مجال تو جمعدارنی ہو کر کچرے کا ٹوکرا لے کر ہمارے پاس سے گزرتی ہے اگر گنگوہ ہوتا تو تجھے اس جرأت کی سزا دیتا۔ جمعدارنی نے یہ سب کچھ شیخ کو بتایا۔

چاول ابھی کچے ہیں

شیخ نے پھر فرمایا کہ چاول ابھی بہت کچے ہیں اور دماغ میں صاحب زادگی کا خناس بھرا ہوا ہے۔ کچھ دن گزرے تو پھر اس جمعدارنی سے کہا آج پھر ٹوکرا لے کر قریب سے گزرنا اور اس طرح گزرنا کہ تھوڑا سا کچرا ان پر گر جائے، پھر دیکھنا کیا کہتے ہیں؟ اس نے ایسا ہی کیا پھر شیخ کو بتایا کہ جب تھوڑا سا کچرا گرا تو فوراً بُرا سا منہ بنا کر میری طرف دیکھا مگر زبان سے کچھ نہیں کہا۔ شیخ نے کہا معلوم ہوا کچھ تھوڑا تھوڑا اثر ہو رہا ہے اور اصلاح کی طرف آرہے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد شیخ نے پھر جمعدارنی سے کہا ٹوکرا لے کر گزرو اور سارا ٹوکرا وہیں الٹ دینا اور خود بھی گر جانا پھر دیکھنا کیا کرتے ہیں؟ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جا کر بتایا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بی بی کہیں کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟ یعنی الٹا میری فکر کرنے لگے۔ تو شیخ نے فرمایا الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے دماغ کا خناس نکال دیا۔ غرض اس زمانے میں جب کوئی آدمی

اصلاح کے لیے جاتا تو اس طرح مجاہدات کرائے جاتے تھے تاکہ انسانوں کے دل میں بھرا ہوا خناس نکلے۔

اب بزرگوں نے اصلاح کا طریقہ آسان بنادیا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آخری دور میں اصلاح کے لیے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ اور ان کے خلفاء کرام اور خاص طور پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اس طریق کا مجدد بنا کر بھیجا، انھوں نے یہ محسوس کیا کہ آج اگر وہ مجاہدات کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو لوگ اسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ لہٰذا انھوں نے ان مجاہدات اور ریاضتوں کی جائے ایسا طریقہ ہمارے اور آپ کے لیے تجویز کر دیا جس میں ان طویل مجاہدات کے بغیر اللہ تعالیٰ اصلاح آسان فرما دیتے ہیں۔

اتباع سنت اصلاح کا آسان طریقہ

اس آسان طریقے کے چند ارکان اور لوازم ہیں جن میں سے سب سے پہلا کام اتباع سنت ہے یعنی نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی سنت کا اتباع۔ اور جتنے معالجے کے طریقے ہیں وہ سب بزرگان دین نے اپنے تجربات کی روشنی میں بنائے ہیں۔ لیکن اتباع سنت ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ منزل تک آسانی کے ساتھ پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي

یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ﴾
"حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ لوگوں سے
کہہ دیجیے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو
میری اتباع کریں (یعنی نبی کریم ﷺ کی
اتباع کریں اس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ تم
سب کو محبوب بنالے گا۔" (آل عمران آیت ۳۱)

اتباعِ سنت کی خاصیت

حضرت حاجی صاحبؒ امداد اللہ فرماتے ہیں کہ اتباعِ سنت کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں محبوبیت ہے، اور محبوبیت کا خاصہ ہے کہ جب انسان اتباعِ سنت کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ اللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ
اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴾
"اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے جس کو چاہتا
ہے اور ہدایت دیتا ہے اس شخص کو جو اللہ
تعالیٰ سے رجوع کرے" (آیت نمبر ۱۳ سورہ شوریٰ)

چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اتباعِ سنت میں محبوبیت کی خاصیت ہے، اور اس خاصیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص بھی اتباعِ سنت کے راستے

پر چلے گا اللہ تعالیٰ خود اس کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں اتنے لمبے مجاہدات اور ریاضتیں کیسے کروگے؟ البتہ ایک کام یہ کرلو کہ اپنی زندگی کو اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھال لو! گویا تمھاری صبح سے لے کر شام تک کی زندگی نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ کی سنت کی پیروی میں بسر ہونی چاہیے۔

اتباعِ سنت کچھ مشکل نہیں

اتباعِ سنت کے یہ معنی ہیں کہ زندگی کے ہر کام کو اس طریقہ سے انجام دینا جو طریقہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تجویز فرمایا اور جس پر عمل کر کے دکھایا۔ یہ ہے اتباعِ سنت۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت پر عمل پیرا ہونا یہ بھی تو بڑا مشکل کام ہے۔ اس کو آپ نے آسان کیسے کہہ دیا؟ ہمارے حضرات نے اس کا بھی طریقہ تجویز کر دیا' اب کوئی آدمی کرنا ہی نہ چاہے تو وہ بات الگ ہے، لیکن طریقہ ہمارے بزرگوں نے بتادیا کہ ایک ہی دن میں اور ایک ہی رات میں ساری سنتوں کو تم شائد نہ کرپاؤ۔ لیکن اس راستے کی طرف چلنا شروع کرو۔

صرف زاویہ نگاہ بدلنے کی بات ہے

جو کام آپ صبح سے شام تک کرتے ہی ہیں ان میں صرف زاویۂ نگاہ کو بدلنے کی بات ہے۔ ان کاموں کو جو آج بھی کر رہے ہیں اتباعِ سنت کی نیت سے انجام دینا شروع کریں۔ آپ کھانا کھاتے ہیں لیکن غفلت کی حالت میں کھاتے ہیں' صرف ایک بات ذہن میں ہوتی ہے کہ بھوک لگ رہی ہے چلو لذیذ سے لذیذ

کھانے کھاکر بھوک مٹاؤ۔ اس خیال کو تھوڑا سا بدل لیں کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے کا حق بنایا ہے کیونکہ "ان لنفسك عليك حقاً" "حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے نفس کا تم پر حق ہے" اگر تم اپنے نفس کو کھانا نہ دو اور فاقے گزر جائیں، کھانا موجود ہے مگر تم نہیں کھاتے اور فاقوں کی وجہ سے موت واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑ ہو جائے گی کہ ہم نے جو تم کو تمہارا نفس امانت دی تھی تم نے اس کو بھوکا کیوں مارا؟ معلوم ہوا اس نفس کو کھانا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

کھانا کھاتے وقت اتباعِ سنت کی نیت کر لیں

چونکہ نبی کریم ﷺ نے بھی کھانا تناول فرمایا تو کھانا کھاتے وقت یہ تصور کر لیں کہ نبی کریم ﷺ بھی کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ الرّحمن الرّحیم پڑھتے تھے۔ اور کھانے کے بعد یہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

﴿الحمدُ للّٰہ الذی اطعمنا وسقانا و جعلنا من المسلمین﴾ (رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری)

کھانے کے وقت یہ نیت کر لی کہ میں اپنے نفس کا حق ادا کر رہا ہوں، اور جس طرح نبی کریم ﷺ کھانا کھایا کرتے تھے اس طریقے پر کھانا کھا رہا ہوں، تو اس طرح کھانے کے طریقہ میں اتباعِ سنت حاصل ہو گئی۔

گھر جاتے وقت اتباعِ سنت کی نیت کر لیں

جب گھر جاتے ہیں تو بیوی بچوں سے یقیناً باتیں کرتے ہیں لیکن نیت یہ

کر لیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی گھر آتے تو گھر والوں سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے، ان سے خوش طبعی سے باتیں بھی کرتے تھے۔ رات کو حضرت عائشہؓ کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنا رہے ہیں کہ اے عائشہ یمن کے اندر گیارہ عورتیں تھیں، انھوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ ہر عورت اپنے شوہر کا حال بیان کرے گی۔ غرض پورا واقعہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو سنایا جو بخاری شریف میں آیا ہے۔ (رواہ البخاری والترمذی عن عائشہؓ)

حضرت عائشہؓ کی دل داری

حضور ﷺ حضرت عائشہؓ سے فرما رہے ہیں کہ باہر مسجد نبوی کے صحن میں حبشی لوگ نیزہ بازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں تم دیکھنا چاہتی ہو؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہاں میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ وہیں کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہؓ کو کندھے کے پیچھے کھڑا کر لیا کہ یہاں سے دیکھ لو تاکہ پردہ بھی برقرار رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو مظاہرے سے دلچسپی نہیں تھی لیکن حضرت عائشہؓ کی دلداری کی خاطر کھڑے رہے، پھر حضور ﷺ نے تھوڑی دیر کے بعد پوچھا عائشہ چلیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں یارسول اللہ ابھی اور دیکھوں گی۔ آپ ﷺ اور کھڑے ہوئے اور فرمایا"

﴿ خیارکم خیارکم لنسائھم وانا خیارکم لنسائی ﴾ (رواہ الترمذی حدیث نمبر ۱۱۷۲)

"تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی

عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اور میں
اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک
کرنے والا ہوں"

ہر کام میں اتباعِ سنت کی نیت کرلیں

ہنسی مذاق لہٰذا جب بھی کریں تو دل میں یہ نیت کرلیں کہ حضور ﷺ بھی گھر والوں سے خوش طبعی فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا میں اتباعِ سنت کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں۔ آپ بھی بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور جب گھر جاتے ہیں تو بچہ اچھا لگتا ہے اور آپ گود میں اُٹھا لیتے ہیں۔ مگر یہ سب غفلت کے عالم میں کرتے ہیں اب گھر جائیں تو یہ تصور کرلیں کہ حضور نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دے رہے ہیں آپ ﷺ نے دیکھا حضرت حسنؓ اور حسینؓ لڑھکتے ہوئے مسجد کی اندر آرہے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ممبر سے نیچے اتر کر ان کو گود میں اٹھالیا کیونکہ آپ کو بچوں کے ساتھ بہت محبت تھی۔ آج یہ سوچیں کہ میں یہ کام نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع میں کر رہا ہوں تو یہ عمل اتباع سنت کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔

سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے

میرے شیخ ڈاکٹر عبدالحیٔ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے کہ گھر میں پہنچے بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا سامنے آیا

دل چاہا اس کو فوراً کھانا شروع کر دیں۔ مگر ایک لمحہ کے لیے کھانے سے رک گئے اور دوسرے لمحہ دل میں یہ لائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت ہے اور میرے نفس کا حق ہے، اور نبی کریم ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جب اچھا کھانا سامنے آتا تو شکر ادا کر کے کھالیا کرتے تھے، اب جب اتباعِ سنت کا تقاضا دل میں پیدا ہوا تو اب بسم اللہ کہہ کر شروع کر دیا اسی گھر میں آئے بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا تو دل چاہا گود میں لے لیں' ایک لمحہ کے لیے رک گئے اور دوسرے لمحہ یہ خیال دل میں لائے کہ نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ شفقت فرماتے تھے لہٰذا اب اٹھا لیا۔ مدتوں اور سالہا سال اس کی مشق کی ہے اس جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب پہلا خیال آتا ہی نہیں بلکہ ہر موقع پر دوسرا ہی خیال آتا ہے۔ اب ساری زندگی اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھل گئی۔ یہ بڑا آسان کام ہے لیکن تھوڑی سی مشق اور توجہ چاہتا ہے۔

جو کام بھی کریں اتباعِ سنت سے کریں

آج ہی سے ارادہ کر لیں کہ ہم گھر میں جا کر جو کام بھی کریں گے وہ اتباعِ سنت کی نیت سے کریں گے۔ اس میں نیا کام کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ مثلاً آج ہم دکان پر تجارت کے لیے جاتے تو ہیں مگر غفلت کے ساتھ، اس میں جاتے ہوئے یہ نیت کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ کچھ حقوق عائد فرماتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ طلب كَسْبِ الْحَلاَلِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ﴾

"حلال کمائی کھانا انسان کے فرائض نماز
وغیرہ کے بعد دوسرے نمبر پر سب سے بڑا
فریضہ ہے" (رواہ البیہقی عن عبداللہ بن مسعود)

لہذا دکان جاتے ہوئے یہ نیت کر لیں کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کے اتباع میں دکان جا رہا ہوں۔ تو یہی کام جو دن رات انجام دے رہے ہیں یہ اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔ یہ پہلا قدم ہے اتباعِ سنت کے راستے پر چلنے کا۔ جب یہ کام کر لیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مزید سنتوں کی بھی توفیق دیں گے۔

سنتوں کے بیان پر مشتمل کتاب لے لیں

اب اصلاح کے لیے دوسرا قدم یہ ہے کہ ایک کتاب لے لیں جس میں حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کا بیان ہے۔ جیسے گلزارِ سنت' علیکم بسنتی اور سب سے زیادہ مفید اور کار آمد میرے شیخ کی کتاب ہے "اسوۂ رسول اکرم ﷺ" وہ کتاب لے لیں۔ اس میں دیکھیں کیا کیا سنتیں ہیں؟ کتنی سنتوں پر میں پہلے عمل کر رہا ہوں اور کتنی سنتوں پر عمل ابھی تک نہیں ہے جن پر نہیں ہے، ان کی ایک فہرست بنا لیں کہ یہ سنتیں ابھی تک میرے عمل میں نہیں آئیں۔ ان میں سے یقیناً بہت سی سنتیں ایسی ہونگی جن کو اختیار کرنے میں کوئی دشواری نہیں' آج اسی وقت آپ شروع کر سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے دیکھا کہ یہ لکھا ہے کہ بیت الخلاء میں جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں رکھنا چاہیے۔ اور داخل ہونے سے پہلے یہ پڑھنا

چاہیے "اللّٰھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث" اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے باہر رکھنا چاہیے۔ تو آج ہی سے اس پر پابندی شروع کردیں۔

اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق بھی مانگتے رہو

البتہ میں کچھ ایسی سنتیں ملیں جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ کچھ دشواری معلوم ہو رہی ہے تو اس کے بارے میں اپنی کوشش شروع کردیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ میں نے نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے ان سنتوں پر الحمد للہ عمل شروع کر دیا ہے، جو سنتیں باقی ہیں ان پر عمل کرنے میں مجھے دشواری ہو رہی ہے اے اللہ اپنی رحمت سے ان دشواریوں کو ختم فرمادے۔ میں آپ سے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں جس کو بزرگوں نے بھی فرمایا ہے اور حضرت حکیم الامت بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اس طریقے سے کام شروع کر دے کہ کچھ قدم بڑھایا اور باقی کے لیے کوشش شروع کر دی تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں ذمہ داری لیتا ہوں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ۴۰ دن کے بعد دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دل میں انقلاب برپا کردیں گے۔

نیکی کا جذبہ پیدا ہوتے ہی عمل کرلو

ہم نے آج یہ کر رکھا ہے کہ اس کام کو اپنے ذہن میں ہوا بنا کر اس کو اپنی طرف سے مشکل سمجھ کر ایک قدم بڑھانا بھی چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نفس ٹالتا رہتا ہے۔ دل تو کہتا ہے کہ یہ کام آسان ہے لیکن شیطان دماغ میں یہ ڈالتا ہے

کہ کل صبح سے شروع کریں گے یا جمعرات یا جمعہ کا دن مبارک دن ہے اس دن سے شروع کریں گے۔ جسکی وجہ سے آج کے کام کو شیطان کل پر ٹلا دے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ کل کبھی نہیں آئے گی۔ لہٰذا جو بات جس وقت دل میں آئے اور تقاضا پیدا ہو تو اس کو ٹلاؤ مت اس پر اسی وقت عمل کرو۔ پتہ نہیں یہ جذبہ جو آج پیدا ہوا ہے وہ کل کبھی نہیں آئے گا۔ پتہ نہیں آج اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی ہے کل رہے کہ نہ رہے۔ یہ بزرگوں کا بتایا ہوا راستہ ہے ورنہ پہلے زمانے میں اصلاح کے لمبے چوڑے مجاہدات کیے جاتے تھے، لیکن ہمارے لیے ان بزرگوں نے راستہ آسان بنادیا۔

صحابہ کرامؓ کی اتباعِ سنت

صحابہ کرامؓ نے جو مقام حاصل کیا وہ اتباعِ سنت سے کیا اور ان کے اتباع کا جذبہ ایسا تھا کہ نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی ایسی کوئی ادا نہیں چھوڑی جس کو اپنی زندگی میں اپنایا نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے بعض لوگ کنارے پر کھڑے ہو کر سن رہے تھے حضور ﷺ نے دیکھا کچھ لوگ کھڑے ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اتفاق سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس وقت ابھی گھر سے آرہے تھے ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ سڑک پر آپ ﷺ کی آواز کان میں پڑی کہ "بیٹھ جاؤ" وہیں سڑک پر بیٹھ گئے۔ فرماتے ہیں جب یہ سنا تو قدم اٹھانے کی مجال نہ ہوئی۔ (رواہ ابو داؤد عن جابرؓ)

اس اتباع کی برکت سے صحابہؓ کرام نے سب کچھ حاصل کیا۔ آج بھی حاصل کرنے کا یہی راستہ ہے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

اتباع سنت کی اہمیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم ظاہر عطا فرمایا۔ یعنی جب علم حدیث وغیرہ تفصیل کے ساتھ حاصل کر چکا تو خیال آیا کہ صوفیاء کرام جو علوم لئے بیٹھے ہیں ان کو بھی دیکھنا چاہیے کہ یہ کیا علوم ہیں۔ صوفیا کرام کے جو سلسلے ہیں چشتیہ وغیرہ وہ سارے میں نے حاصل کیے اور جو جو طریقے انھوں نے بتائے ہیں سب پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں مجھے ایسا مقام عطا فرمایا کہ میں آپ کو کیا بتاؤں، لوگ کہیں گے کہ یہ خود نمائی کر رہا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے مجھے اس مقام تک پہنچایا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے مجھے خلعت پہنایا۔ پھر فرمایا کہ میں اس سے بھی آگے اس مقام تک پہنچا کہ اگر میں اس کی تفصیل بیان کروں تو فقہاء کہیں گے کہ یہ کافر ہو گیا اور صوفیاء کہیں گے یہ زندیق ہو گیا۔ لیکن وہ مقامات میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے، ان سارے مقامات کو حاصل کرنے کے بعد میں ایک ایسی دعا کرتا ہوں انشاء اللہ جو اس دعا پر آمین کہے گا اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ دعا یہ ہے "اے اللہ مجھے اتباعِ سنت کی زندگی عطا فرما اور اسی پر مجھے موت عطا فرما اور اتباعِ سنت ہی کے حال میں میرا حشر فرما آمین"

یاد رکھیں ! لوگ جو کچھ کرامات و الہام وغیرہ بیان کرتے ہیں کوئی حقیقت نہیں

رکھتے۔ جو کچھ مقام اور مرتبہ ہے وہ اتباعِ سنت ہی کا ہے۔ آج کی مجلس کی بنیادی بات اتباعِ سنت کی فکر پیدا کرنا ہے۔ دوسرا یہ کتاب "اسوۂ رسول ﷺ" سامنے رکھیں اور اس میں اپنے عمل کا جائزہ لیں۔

حکیم الامت کی اہلیہ اور اتباعِ سنت کا اہتمام

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ فرمایا کچھ دن تک جب بھی میں گھر جاتا تو دیکھتا کہ لوکی پکی ہوئی ہے تو میں نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے آپ روزانہ لوکی پکاتی ہیں۔ تو انھوں نے کہا میں نے کتاب میں پڑھا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو لوکی پسند تھی (رواہ البخاری و مسلم عن انسؓ) جب میں نے یہ پڑھا تو میں نے نوکر کو ہدایت کی کہ بازار میں لوکی ملتی ہو تو لوکی ضرور لایا کرو تاکہ نبی کریم ﷺ کا کھانا گھر میں پکتا رہے۔ حضرت فرماتے ہیں جب میں نے اپنی اہلیہ کے منہ سے یہ بات سنی تو میرے بدن پر ایک جھرجھری سی آگئی' اس خیال سے کہ اس عورت کو نبی کریم ﷺ کی ایک سنتِ عادیہ کا اتنا اہتمام ہے کہ جب تک لوکی بازار میں ملتی رہے لایا کرو۔ اور ہم علم کے دعوے دار ہیں ہم نے حدیثیں پڑھیں اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات پڑھے مگر ہمارے دل میں اتنا اہتمام نہیں ہے۔

یہ کام سوچنے کا نہیں کرنے کا ہے

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے یہ کام کیا کہ اپنی

زندگی کا جائزہ لیا۔ سارے کام چھوڑ کر تین دن اس کام میں صرف کیے کہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کا جائزہ لیا کہ کونسی سنت پر عمل کرتا ہوں اور کونسی سنت پر عمل نہیں کرتا۔ اور جس پر نہیں کرتا اس پر عمل شروع کر دوں۔ کہتے ہیں الحمد للہ تین دن کی محنت کے بعد راہ عمل صاف ہو گئی اور اس کے بعد میں نے تہیہ کر لیا کہ باقی سنتوں پر عمل کروں گا۔

لہٰذا یہ کام سوچنے کا نہیں کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور مجھے بھی اس طریقۂ کار پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

ذِکرُ اللہ کے فضائل

موضوع : ذکر اللہ کے فضائل
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : جامعہ دارالعلوم کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

﴿ ذکر اللہ کے فضائل ﴾

بعد از خطبہ

أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ
بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

(پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۱،۴۲)

رمضان کے آخری عشرہ میں حضور ﷺ کا معمول

رمضان کا اخیر عشرہ سارے رمضان کا عطر اور نچوڑ ہوتا ہے اور اس
عشرہ کے اندر اللہ تعالیٰ اپنی بخششوں اور رحمتوں کا دروازہ کھول دیتے ہیں چاہے وہ

دن ہو یا رات۔ اس عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر ہونے کا احتمال بھی ہے۔ حدیث میں اس عشرہ کو "عِتقٌ مِنَ النَّار" قرار دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس عشرہ میں اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے رہائی کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔ نیز حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ جب عشرہ اخیرہ داخل ہوتا تو "شَدَّ مِیزرہ" اس کا لفظی معنی "ازار باندھنا" ہے لیکن مراد کمر کسنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ عبادت میں زیادہ سے زیادہ محنت اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

"وَاَحیٰ لَیلَہ وَاَیقظ اھلَہ" (عن عائشہؓ متفق علیہ)

اور اس آخری عشرہ میں اپنی رات کو بیدار رکھتے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے نیز گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ عام راتوں میں آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اس بات کا اہتمام فرماتے کہ گھر والوں کی نیند میں خلل نہ آئے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

"قَامَ رُوَیدًا وَ فَتَحَ الْبَابَ رُوَیدًا"

کہ آپ ﷺ آہستگی سے بستر سے کھڑے ہوتے اور دروازہ بھی آہستگی سے ہی کھولتے تاکہ دوسروں کی نیند میں خلل نہ آئے، لیکن رمضان کے عشرہ اخیرہ میں گھر والوں کو بھی جگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ اللہ کی عبادت کا وقت ہے اسلیے اٹھو اور نماز پڑھو! اور بعض روایات میں ہے کہ "کَثّرَ صَلوتَہ" آپ ﷺ ان دنوں میں نماز کی کثرت کیا کرتے تھے اور یہ عمل صرف طاق راتوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر رات کو ایسا ہوتا تھا۔ حاصل یہ ہوا کہ عشرہ اخیرہ

اللہ جل شانہ کے ذکر میں گزارنے کے لیے ہے لہٰذا اس میں زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

آخری عشرے کا صحیح استعمال

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عشرہ اخیرہ کو جلسوں، تقریبوں اور دعوتوں وغیرہ میں گزارنا بُری بات ہے، کیونکہ یہ راتیں ان کاموں کے لیے نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے ہیں' لہٰذا عشرہ اخیرہ کو ان مواقع میں استعمال کرنا ان اوقات کا صحیح استعمال نہیں ہے۔ یہ راتیں تو اس لیے ہیں کہ انسان گوشۂ تنہائی میں ہو اور اس کا رابطہ اپنے مالک سے اس طرح قائم ہو کہ اسکے اور اللہ کے علاوہ کوئی تیسرا نہ ہو، اور ان اوقات کو اللہ کے ذکر میں اس طرح گزارے کہ زبان سے بھی ذکر کرے اور دل سے بھی یہاں تک کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اللہ کا ذکر ہو۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾

"اے مومنو! اللہ کا ذکر کرو کثرت سے"

(سورۂ احزاب آیت ۴۱)

اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کی اہمیت اور اسکی محبت ہمارے دلوں میں ڈالدے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ذکر کون کرے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر تو صوفی لوگ کرتے ہیں' مولویوں کو ذکر سے کیا نسبت؟ انکو چاہئے کہ وہ کتاب پڑھیں، پڑھائیں اور مطالعہ وغیرہ کریں۔ ذکر تو صوفیوں کا کام ہے کہ خانقاہوں میں جاکر ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس میں خطاب تمام مومنین کو ہے اور ظاہر ہے کہ مولوی بھی تو ایمان والا ہوتا ہے لہٰذا اس کو بھی یہ حکم شامل ہے۔ اور جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہمارا کام تو محض کتاب پڑھنا، پڑھانا اور مطالعہ ہے اور احادیث میں وارد طریق ذکر سے بالکل گریزاں رہتے ہیں یہ بڑی خطرناک بات ہے کیونکہ آیت میں تمام مومنین کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے "اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو"۔ معلوم ہوا کہ ذکر ایک آدھ مرتبہ کر لینا بھی کافی نہیں بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔

سب سے افضل عمل

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا

﴿اَنْ يَكُوْنَ لِسَانُكَ رَطْباً بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾

"افضل عمل یہ ہے کہ تیری زبان، اللہ کے ذکر سے تر رہے" (ترمذی شریف ج۲ ص ۱۷۳)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ادھر تو ہاتھوں سے دنیا کے کام دھندے ہورہے ہیں اور اُدھر زبان سے اللہ کا ذکر ہورہا ہے اور حالت یہ ہے کہ دھیان اور فکر کہیں اور ہے تو ایسی حالت میں ذکر کرنے سے کیا فائدہ ؟ تو خوب سمجھ لیجیے! کہ یہ شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کیونکہ زبان سے ذکر کرنا، اگرچہ دل ودماغ کہیں اور ہو بہت بڑی نعمت ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

ذکر اللہ ایک سیڑھی ہے

بعض لوگوں نے یہ شعر مشہور کر رکھا ہے کہ ۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح چہ دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح اور دل میں گائے اور گدھے کا خیال ہے تو ایسی تسبیح سے کیا فائدہ ؟ اسکے بارے میں حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اس شعر کا کہنے والا حقیقت شناس نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

کہ اگرچہ زبان پر تسبیح اور دل میں گائے اور گدھے کا خیال ہے۔ لیکن اللہ کے فضل سے یہ تسبیح بھی اثر رکھتی ہے۔

یاد رکھیں! کہ جو زبان ذکر اللہ سے تر نہ ہو اس کا دل بھی کبھی آباد نہیں ہو سکتا، کیونکہ زبانی ذکر کی حیثیت پہلی سیڑھی کی سی ہے جو اس کو طے نہ کرے گا، اس کے

دل میں اللہ کا ذکر کیسے آئے گا؟ لہٰذا اللہ جل شانہ سے رابطہ استوار کرنے کے لیے پہلا زینہ "ذکر لسانی" ہے لہٰذا اس کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیے۔

ذکر ایک توانائی ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٰ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر ایک توانائی ہے۔ جس طرح صبح کو ناشتہ کرنے کا مقصد توانائی کا حصول ہوتا ہے اسی طرح ذکر دل کے اندر تقویت پیدا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کے اندر ایسی ہمت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان نفس کے شر پر ہمیشہ غالب ہوتا ہے۔ تو ذکر کا ثواب اپنی جگہ ہے لیکن نقد فائدہ یہ ہے کہ ذکر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انسان کے اندر ہمت پیدا فرمادیتے ہیں، اور نفس و شیطان کو چکر دینے میں یہ بڑا مفید ہے کہ آدمی ذکر کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ اس سے اللہ کی طرف رجوع کی توفیق پیدا ہوتی ہے اور گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو دیکھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ گناہ کے سارے اسباب اس حد تک جمع ہو گئے کہ بچ نکلنا مشکل ہے، اور ادھر سے وہ کہہ رہی ہے "هَيْتَ لَكَ" اس موقع پر انھوں نے فوراً کہا "مَعَاذَ اللّٰهِ" یعنی اللہ کی پناہ۔ باوجودیکہ ایک تفسیر کے مطابق دل میں خیال بھی گذرا لیکن ان کو اس بات نے کہ انھوں نے اللہ کو یاد کر کے اللہ کی پناہ حاصل کرلی

جس کی وجہ سے وہ جگہ جہاں پاؤں پھسلے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، ثابت قدم رہے اور اس کام سے رک گئے۔ اور آگے فرمایا:

"انّہٗ ربی احسن مثوای"

اس کی دو تفسیریں بیان کی گئیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "ربّی" سے مراد زلیخا کا خاوند ہے جو کہ عزیز مصر تھا اور اس نے ہی ان کو خریدا تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں کہ اگرچہ تو نے دروازے میں تالے ڈال کر ان کو بند کر دیا ہے تاکہ کوئی نہ دیکھے اور نہ کسی کو پتہ چلے لیکن میرا پروردگار مجھے ہر جگہ دیکھ رہا ہے اور اس نے میرا بہترین ٹھکانہ بنایا۔ گویا اس موقع پر اللہ کو یاد کیا اور اس کی نعمت کو پیش نظر رکھا جس کی بدولت محفوظ رہے۔ اسی لیے ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ ذکر کی اس توانائی کو اپنے پلے باندھ لو، خود بخود گناہوں سے بچ جاؤ گے۔

حضور اکرم ﷺ کی تلقین فرمودہ تسبیحات

اب طریقہ کار یہ ہے کہ جب کسی بزرگ کی طرف اصلاح کیلئے رجوع کیا جائے تو وہ ہر شخص کے مناسب حال تسبیحات پڑھنے کو کہتے ہیں، ان کی ہدایت کے مطابق وہ بھی مفید اور ضروری ہیں۔ لیکن بعض تسبیحات خود حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائی ہیں جن کے لیے کسی مزید اجازت کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص اس کا معمول بنا سکتا ہے۔

۱۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔

۲۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۳۔ استغفار

۴۔ درود شریف

ذکر کبھی بھی ترک نہ کریں

ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو ایک شخص نے لکھا کہ ذکر طبیعت پر بہت بار معلوم ہوتا ہے۔ دراصل آدمی جب ذکر شروع کرتا ہے تو پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے کہ انسان کو ایسا لگتا ہے کہ وہ سخت مشقت میں مبتلا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دل نہ لگنے کی وجہ سے ذکر ترک کر دیتا ہے۔ تو ان صاحب نے بھی یہی لکھا اور کہا کہ جب ذکر کرنے بیٹھوں تو جی گھبرا اٹھتا ہے جس کی وجہ سے ذکر نہیں کر سکتا۔ اس سوال کے جواب میں حضرت نے بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی" کہ بار ایک مشقت ہے، مشقت میں اگر جی نہ لگے تو سمجھ لو کہ مشقت بھی نفع میں جی لگنے سے کم نہیں ہے" یعنی اگر ذکر کرنے میں مشقت ہو رہی ہے تو یہ مشقت بھی فائدہ دینے میں دل لگنے سے کم نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ذکر میں دل لگتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ذاکر لطف اور مزے کی خاطر ذکر کر رہا ہو کہ اس کا دل ذکر میں لگتا ہے، خلاف اس شخص کے جس کو مشقت ہو رہی ہے کیونکہ اس کا مقصود تو اللہ جل شانہ کی رضا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ شخص ثواب میں اس سے بڑھ جائے۔ اس لیے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مشقت کی موجودگی میں ذکر سے کیا فائدہ؟ لہٰذا طریقہ کار یہی ہے کہ جب ذکر کرنے بیٹھے تو چاہے دل لگے یا نہ

لگے، وحشت ہو یا نہ ہو، ہر صورت ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ ہمارے سارے بزرگوں کی یہی تعلیم تھی کہ چاہے دل گھبرائے یا وحشت ہو، برداشت کرو۔ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ ایسا کوئی علاج بتائیں جس سے گھبراہٹ ختم ہو جائے۔ تو یاد رکھیں نہ ہی کوئی اس کا علاج ہے اور نہ ہی کوئی گولی اور معجون ہے جس کو کھلا کر دل کو ذکر میں لگایا جا سکے۔

یاد رکھیں! کہ دل و دماغ کہیں اور ہے اور زبان ذکر میں لگی ہوئی ہے یہ عمل بھی اللہ کو بہت پسند ہے کیونکہ بعض اوقات اس میں روحانیت، بہ نسبت مزہ لینے والے کے ذکر سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے کئی ہفتے روحانیت اور نورانیت کی حقیقت پر بیان کیا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کشف ہو جانا اور اعمال میں مزہ آنا، یہ کوئی مقصود نورانیت ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ نورانیت روحانی ترقی نہیں ہے بلکہ حقیقی نورانیت تو اتباع میں ہے کہ جس دن اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اسی دن وہ نورانیت حاصل ہو جائے گی جس سے روح کو ترقی ہوتی ہے اور جو اس ذکر و اطاعت سے مطلوب ہے، خواہ مزہ آئے یا نہیں۔

شیخ کون بن سکتا ہے؟

ہمارے یہاں ایک صاحب شیخ طریقت کے نام سے مشہور ہیں، جن کے پیچھے اچھے خاصے لوگ ہوتے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ جو شیخ اپنے مرید کو مسجد حرام میں نماز نہ پڑھوا سکے، وہ شیخ بننے کے لائق ہی نہیں، یعنی اس کو کوئی ایسا مراقبہ

کروائے کہ جس کی وجہ سے وہ مسجد حرام میں نماز پڑھ سکے، تو لوگوں کے دماغ میں یہ بات آگئی کہ یہ مراقبات اور مکاشفات وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان کو خاص تقرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں! کہ ان چیزوں کی روحانی ترقی کے اعتبار سے کوئی حقیقت نہیں ہے، اگر اللہ کی طرف سے کسی پر انعام لگ جائے تو یہ بڑی نازک نعمت ہے اور اس کے حاصل ہونے کے بعد بہک جانے اور گمراہ ہو جانے کا بڑا خطرہ رہتا ہے، ایسی نعمت کو سنبھالنا اور اپنے آپے میں رہنا آسان کام نہیں ہے، لہٰذا کبھی اس کی ہوس نہ کرو، بس اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار رکھو کیا اللہ تعالیٰ صرف حرم میں بیٹھے ہوئے ہیں؟ یا وہ ہی ان کا مقام ہے؟ یہ سراسر جاہلیت کی بات ہے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ حرم میں ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ لہٰذا جس دن تم نے اللہ کے ساتھ راستہ استوار کر لیا تو سمجھ لو کہ تمھیں حرم حاصل ہو گیا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ

ہر شب شبِ قدر ست گر قدر بدانی

یعنی تم جو شب قدر ڈھونڈتے پھرتے ہو، اگر قدر پہچانو تو ہر شب، شب قدر ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

"اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ"

"نماز مومنین کی معراج ہے"

اس لیے یہ سمجھنا کہ اگر نماز پڑھنے کے لیے مراقب ہو کر حرم نہ گئے تو کامل نہ ہوں گے، سراسر جاہلیت اور دین کی حقیقت سے ناواقفیت ہے۔ لہٰذا دین کے ساتھ تعلق اور اللہ کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہر

حال میں ذکر کرو، اس کو ترک نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا ذکر کے بارے میں طرز عمل

ذکر اللہ کے بارے میں ایک واقعہ یاد آیا کہ علم و فضل کے آسمان اور فتح الباری کے مصنف علامہ ابن حجرؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ پہلے زمانے میں چونکہ لکڑی کے قلم ہوتے تھے، جب وہ خراب ہو جاتے تو اس پر چاقو کا قط رکھنا پڑتا تھا تاکہ وہ صحیح لکھیں، تو جب وہ کتاب لکھتے تھے اور لکھتے لکھتے قلم خراب ہو جاتا تو جتنی دیر تک قلم کو روکتے تھے، اتنی دیر بھی فارغ گذرنا ان کو گوارا نہ تھا، بلکہ اس وقت بھی ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ وقت بھی اللہ جل شانہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ذکر کی عادت بنا دیتے ہیں تو وہ جزو زندگی بن جاتی ہے اور اس کے بغیر چین نہیں آتا۔ لہٰذا اصل بات تو یہی ہے کہ انسان ہر حال میں ذکر میں مشغول رہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی ذکر کے بارے میں عادت نہیں بنی، ان کی کمزوری کا لحاظ کر کے بعض لوگوں نے ذکر کے کچھ طریقے بتا دیے ہیں کہ اگر اس طریقے سے ذکر کرو گے تو دل بھی لگے گا اور گھبراہٹ بھی نہیں ہوگی اور رفتہ رفتہ عادت بھی ہو جائے گی۔ اور یہ طریقے بتانے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا دل لگ جائے اور وہ اللہ کے راستے سے ہٹ نہ جائے یا پھر کسی خاص بیماری کا علاج مقصود ہے۔

ذکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے

ان ہی طریقوں میں سے ایک طریقہ "ذکر بالجہر" ہے کہ ایک شخص آہستہ آواز سے تنہائی میں بیٹھ کر ذکر کر رہا ہے تو اس میں دل الجھتا ہے، اس لیے طریقہ یہ بتایا کہ آواز کو بھی بلند کر و اور تھوڑا سا "لحن" بھی پیدا کرو تا کہ اس میں دل لگ جائے اور اس کا طریقہ بھی بتایا کہ تم لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہو تو لَآ اِلٰہَ کہتے ہوئے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دو کہ میں اللہ کی محبت کے علاوہ ہر چیز اور اس کی محبت کو پس پشت ڈال رہا ہوں، اور "اِلاَّ اللّٰہُ" کی ضرب لگا کر دل میں اللہ جل شانہ کی محبت کو داخل کر لو۔ اگر پابندی سے ایسا کرتے رہے تو یقیناً غیر اللہ کی محبت دل سے نکل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں جم جائے گی۔

ذکر کے چند اور طریقے

بعض حضرات نے کہا کہ جب ذکر کرنے بیٹھو تو چار زانو ہو کر بیٹھو اور بائیں گھٹنے کے اندر کی رگ کو اپنے دائیں انگوٹھے سے قینچی کی طرح پکڑ لو۔ ایسا کرنے سے فضول خیالات اور وساوس کم آئیں گے۔ اسی طرح سانس سے اذکار بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کہ جس میں ہر سانس کے لینے میں ذکر اللہ کو اس طرح جذب کر لیا جاتا ہے کہ گویا ہر سانس کے ساتھ ذکر نکل رہا ہے۔ "سلطان الاذکار" بھی ذکر کی ایک خاص قسم ہے جس میں ہر قسم کی لطافت جاری ہوتی ہے۔ اور یہ ذکر عام لوگوں کے بس کی بات نہیں صرف ذکر کی خاص مشق اور

کیفیت حاصل کرنے والے اللہ کے خاص بندے اور اولیاء اللہ ہی کر سکتے ہیں۔
نیز صوفیاء کرام نے ذکر کا یہ طریقہ بھی بتایا ہے کہ جب ذکر کرو تو یہ تصور کرو کہ کائنات کی ہر چیز ذکر کر رہی ہے تو اس تصور سے ایک خاص قسم کا نشاط پیدا ہوگا اور ذکر میں دل لگ جائے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو یہی نشاط حاصل تھا

جیسے قرآن حکیم میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ جب وہ ذکر کرتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے وغیرہ بھی ذکر کرتے تھے چنانچہ قرآن میں ہے

﴿ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَه' يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ
وَالْاِ شْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ﴾ (پ ۲۳ سورۃ ص آیت نمبر ۱۸۔۱۹)

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ایک بڑی پیاری بات "مسائل سلوک" میں لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اس انعام کو ذکر فرمایا کہ ان کے ذکر کے ساتھ پہاڑ اور پرندے وغیرہ بھی ذکر کرتے تھے۔ تو ان کے ذکر سے حضرت داؤد علیہ السلام کو کیا فائدہ ہوتا تھا؟ تو حضرت نے جواباً لکھا کہ ذکر چاہے خلوت میں ہو یا جلوت میں، بہر صورت بڑی نعمت ہے، لیکن اگر ذکر کرنے والے کے ساتھ کچھ جماعت بھی شامل ہو جائے تو اس کے ذکر میں نشاط اور کیف و سرور پیدا ہو جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو یہی نشاط حاصل تھا۔

بدعت کیا ہے؟

ہمارے یہاں "دوازدہ تسبیحات" جو مشہور ہیں اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ "لَآ اِلٰہ" کے ذریعے گردن کو خفیف سا جھٹکا دے اور "اِلاَّ اللّٰہُ" کی ضرب دل پر لگائے اور یہ طریقہ ہمارے سارے مشائخ بتاتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اس طریقہ کو بھی "مسنون" سمجھ لینا بدعت ہے۔ لوگ ذکر کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے تو کیا ہی نہیں اور نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا ایسا کرنا بدعت ہے۔

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ آپ کے سب مشائخ بدعتی ہیں (مَعَاذَ اللّٰہ) اس لیے کہ یہ جو ذکر کے طریقے بتاتے ہیں وہ حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہی نہیں لہٰذا یہ بدعت ہے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ اگر تمھیں نزلہ، زکام ہو جائے تو تم جوشاندہ پیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! تو میں نے پوچھا کیا جوشاندہ پینا آپ ﷺ سے ثابت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! میں نے کہا کیا یہ بدعت ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! تو میں نے کہا جس طرح جوشاندہ کو علاج کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح جب کسی آدمی کا دل ذکر میں نہیں لگتا تو اس سے اس غفلت کی بیماری کو دور کرنے کے لیے ذکر کا کوئی طریقہ علاج کے طور پر بتایا گیا ہے جس کے لیے ثبوت کی ضرورت نہیں لہٰذا اس کو اس حد تک رکھنے میں کوئی بدعت نہیں، ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طریقہ بھی سنت یا مستحب یا افضل ہے تو یہ بدعت ہے۔

سب سے افضل ذکر کونسا ہے؟

یاد رکھیں! کہ قیام قیامت تک اور ہر حال میں افضل ذکر ذکر خفی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَةً ﴾

"اپنے رب کو پکارو عاجزی کے ساتھ اور
آہستگی کے ساتھ" (پ۸ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۵)

اور "وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ
خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ"

"اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور
خوف سے اور پست آواز سے یاد کرتے رہو۔

(پ۹ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۵)

اور حدیث میں ہے ۔

﴿خَيْرُ الدُّعَآءِ خَفِيٌّ﴾

"بہترین دعا آہستہ (دعامانگنا) ہے"

ان آیات اور حدیث کی روشنی میں ہمارے بزرگ ذکر خفی ہی کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ البتہ ذکر بالجہر بھی جائز ہے۔

لہجہ مقصود ہے یا ذکر؟

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ سے ایک صاحب نے

آ کر کہا کہ حضرت! میں تسبیحات تو بہت پڑھتا ہوں لیکن وقت نہ ملنے کی وجہ سے مخصوص انداز سے نہیں پڑھ سکتا، حضرت نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ لہجہ مقصود ہے یاذکر؟ انھوں نے کہا کہ حضرت! ذکر ہی مقصود ہے، لہجہ تو مقصود نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب لہجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو بغیر لہجہ کے پڑھ لیا کرو! اور پھر فرمایا کہ میں اکثر اوقات "دوازدہ تسبیح" بغیر لہجہ کے پڑھتا ہوں اور بڑی آسانی سے دس، پندرہ منٹ میں پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہوں، اور اگر لہجے سے پڑھوں تو آدھ گھنٹہ یا چالیس منٹ درکار ہیں۔

بدعت کو اس کے دائرے میں رکھیں

ہمارے زمانے میں ایک قوم ایسی بھی ہے جو صوفیائے کرام کے ایسے اصلاحی طریقوں کو بھی بدعت کہتی ہے، جیسے آج کل سعودی عرب کے بعض لوگ ہیں جو رد بدعت کے بارے میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں اعتدال کے راستے سے ہٹ گئے۔ ہمارے ہاں بھی ان کے پیرو کار پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ تصوف، خانقاہ چلہ کشی اور ذکر کا وہ خاص طریقہ جو بیٹھ کر کر لیا جاتا ہے، سب بدعت ہے تو اس کا جواب وہی جو شاندہ والی مثال ہے۔

اور دوسری طرف ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جس نے ان ہی چیزوں کو مقصود بالذات بنالیا جیسے آج کل کے جاہل پیر کہ وہ ان کو ان خاص طریقوں اور طرز کو ہی مقصود قرار دیتے ہیں یہ بھی اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اصل راستہ ہمارے بزرگوں کا بتایا ہوا ہے جنھوں نے ہم کو اعتدال کے راستے کی تعلیم

دی اور طریقوں میں جو چیزیں محض جائز تھیں ان چیزوں کو صرف جائز کے درجے میں رکھا، اصل مقصود یا مسنون قرار نہیں دیا، اور ساتھ ساتھ جائز چیزوں کو بدعت بھی نہیں سمجھا۔

فکر سے انس ہونا ذکر کی برکت ہے

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت تھانویؒ کو اپنے حال کے بارے میں لکھا کہ ذکر چھوڑنے کو دل چاہتا ہے اور بیٹھ کر سوچنے کو دل چاہتا ہے اور ذکر میں طبیعت کم لگتی ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ یہ جو تم نے لکھا ہے کہ "ذکر چھوڑنے اور بیٹھ کر سوچنے کو دل چاہتا ہے" دراصل یہ ذکر ہی کی برکت ہے کہ فکر سے انس پیدا ہو گیا کیونکہ ذکر سے انس پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

"وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں" (پ ۴ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱)

معلوم ہوا کہ ذکر کے ساتھ فکر کا ہونا ضروری ہے کہ انسان اس ذکر کی بدولت اللہ جل شانہ کی عظمت، قدرت، محبت اور اسی کے خیالات میں کھو جائے، گویا فکر، ذکر کا ہی ثمرہ ہے۔ آگے حضرت نے لکھا کہ اگرچہ یہ برکت ذکر

کی ہے لیکن اس کے باوجود ذکر کو ہرگز نہ چھوڑنا ورنہ بنیاد کے انعدام سے مبنی (عمارت) کا انعدام ہو جائے گا۔ یعنی دل میں جو خیال پیدا ہو رہا ہے کہ میں دن رات اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچتا رہوں۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصور جاناں کیے ہوئے

اگر تم نے ذکر چھوڑ دیا جس کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہوئی تو اس کی وجہ سے رفتہ رفتہ فکر کی یہ کیفیت بھی چھوٹ جائے گی، للہٰذا ذکر کو ہرگز مت چھوڑنا۔

ذکر سے کیا مراد اور فکر سے کیا مراد؟

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ذکر سے مراد "ذکر لسانی" ہے اور فکر سے مراد "ذکر قلبی" ہے۔ جب آدمی اللہ جل شانہ کی عظمت، قدرت اور جلال میں محو ہے تو یہ ذکر قلبی ہے، یعنی اللہ کا ذکر دل سے کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ جب ذکر لسانی کرتے کرتے اللہ جل شانہ کا خیال دل میں جم گیا اور اس کی عظمت و محبت پیدا ہو گئی تو مقصود حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اس زینہ کی ضرورت نہ رہی تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اس کے چھوٹنے سے رفتہ رفتہ، چھوٹ جائے گا، اسی کو بناء کے انعدام سے مبنی کا انعدام کہا جاتا ہے۔ بعض جاہل پیروں کا طبقہ کہتا ہے کہ اب تو ہم درویش اور فقیر ہو گئے اور ہر وقت اللہ کی یاد میں گم رہتے ہیں لہٰذا ہمیں نماز، روزے اور تلاوت کی کوئی ضرورت نہیں (معاذ اللہ) کیونکہ اس وقت میں ہم کو وصول الی اللّٰہ کا

درجہ حاصل ہے۔ یاد رکھیں! کہ یہ گمراہی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ذکر قلبی کو اس قدر مقصود قرار دے دیا کہ اس کے نتیجے میں ظاہری عبادات کو بے کار سمجھنے لگے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ سے بارہا مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ سنا جس کو حضرت حکیم الامتؒ نے بھی اپنے کئی مواعظ میں نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک مرتبہ تہجد پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک نور چمکا اور اس نور نے حضرت کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ہر طرف چھا گیا، اور اس میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر جیلانیؒ! تو ہماری عبادت کے اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ اب تیرے ذمے "نہ نماز فرض ہے" نہ روزے' اب تو جو چاہے کر۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے فوراً فرمایا کہ مردود! دور ہو جا، حضور اقدس ﷺ پر سے تو نماز ساقط ہوئی نہیں حالانکہ ان کا مقام تو بہت ہی اونچا تھا تو جب ان سے ساقط نہیں ہوئی تو مجھ سے کیسے ساقط ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تو شیطان ہے اور مجھے بھکانے آیا ہے۔ تو فوراً وہ نور غائب ہو گیا اور دوسرا نور ظاہر ہوا اور اس میں سے آواز آئی کہ اے عبدالقادر! آج تجھے تیرے علم نے بچا لیا ورنہ یہ وہ مقام ہے کہ جس میں میں نے اچھے اچھے صوفیاء کو شکست دے دی اور ان کو گمراہ کر دیا۔ اس کے جواب میں حضرت شیخؒ نے پھر وہی جواب دیا کہ مردود! دور ہو جا، اس لیے کہ مجھے میرے علم نے نہیں بچایا بلکہ میرے اللہ نے بچایا ہے۔ اور شیطان کا یہ دوسرا دھوکہ (علم کے بارے میں) پہلے سے زیادہ خطرناک تھا۔

لہذا لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم ذکر قلبی کر رہے ہیں اور ذکر لسانی، نماز، روزے سب ہم سے ساقط ہو گئے، یہ سراسر گمراہی ہے۔
تو حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہنے لگا جس کو صوفیاء کرام "تعلق مع الله" اور "نسبت" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے! کہ یہ سب ذکر کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے لہذا ہمیشہ اپنے معمولات ذکر پر استقامت رکھو۔

ذکر اللہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں

☆ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ کا ذکر اتنا اور اس طرح کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلی)
☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا:
"جو شخص کہیں بیٹھا اور اس نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کیلئے بڑی حسرت وخسران کا باعث ہو گی، اور اس طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے بڑی حسرت وخسران کا باعث ہو گا"۔ (سنن ابی داؤد)
☆ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو' کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں۔ "سبحان اللّٰہ" اور "الحمدللّٰہ" اور "لا الہ الا اللّٰہ" اور "اللّٰہ اکبر" (صحیح مسلم)

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعائیں پڑتی ہیں' ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" کہوں۔ (صحیح مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے' آپ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ نے فرمایا کہ یہ کلمے:

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ وَلاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر"

بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے"۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے روزانہ سو دفعہ کہا سُبْحَانَ اللّٰه وَبِحَمْدِهِ اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کی جھاگوں کے برابر ہوں"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

☆ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:

"وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی سُبْحَانَ اللّٰه وَبِحَمْدِهِ" (صحیح مسلم)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"دو کلمے ہیں زبان پر ہلکے پھلکے 'میزان اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے۔ "سُبْحَانَ اللّٰه وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

احادیث میں جہاں بھی گناہوں کی معافی کا ذکر ہے اس سے مراد حقوق اللہ میں سے صغیرہ گناہ ہیں حقوق العباد بندے کے معاف کئے بغیر صرف ذکر کرنے سے معاف نہ ہوں گے۔

للہ تعالیٰ ہمیں اپنا ذکر کرنے اور اس پر استقامت دائما نصیب فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

صدقہ و خیرات کے فضائل

موضوع : صدقہ اور خیرات کے فضائل
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : جامع مسجد بیت المکرم کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انار کلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳
۱۰

﴿ صدقہ وخیرات کے فضائل ﴾

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الید اُلعُلْیا خَیْرٌ مِنَ
اَلْیَدِ السُّفْلٰی وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ
مَاَ کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنیً وَمَنْ یَّسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ
اللّٰهُ وَمَنْ یَسْتَغْنِ یُغْنِهِ اللّٰهُ

(رواہ البخاری عن حکیم بن حزامؓ و مسلم ص ۱۰۳۴)

گزشتہ جمعہ میں اعلان کیا گیا تھا کہ ایک سفر در پیش ہے جس کی وجہ سے شاید حاضری نہ ہو سکے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر سفر ملتوی ہو گیا تو سوچا کہ حسب معمول حاضری کی سعادت حاصل کی جائے۔ جو حدیث آپ کے سامنے

پڑھی گئی چونکہ اس کا بیان گذشتہ جمعہ کو شروع کیا گیا تھا اس لیے اسکی تکمیل کا بھی خیال آیا۔

حدیث شریف کا پہلا جملہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی" جو کہ حدیث کے کئی جملوں میں سے ایک جملہ ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا اور نیچے والے ہاتھ سے مراد لینے والا ہے۔ چونکہ آدمی جب کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو اس کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والے کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے، لیکن یہاں مراد محض اوپر اور نیچے والا نہیں بلکہ یہ لینے اور دینے سے کنایہ ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

بعض پیر ایسے بھی ہوتے ہیں

مشہور ہے کہ بعض جاہل قسم کے پیروں نے اپنے مریدوں کو تاکید کی ہوتی ہے کہ جب کوئی ہدیہ آئے تو دینے والا ہاتھ نیچے رکھے اور پیر صاحب اوپر سے اٹھائیں تاکہ مذکورہ بالا حدیث کا مصداق نہ بننا پڑے، حالانکہ حقیقت میں مراد اوپر اور نیچے ہونا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اور اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ انسان کو چاہیے کہ حتی

الامکان اپنی حاجت کسی دوسرے کے سامنے پیش نہ کرے اور اس سے سوال نہ کرے بلکہ اس بات کے مواقع پیدا کرے کہ خود دے۔

سوال کرنا کس کے لیے جائز ہے؟

حدیث میں ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کی غذا موجود ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ دیکھیں شریعت میں سوال کے بارے میں اس قدر سخت حکم رکھا گیا ہے نیز حدیث میں ہے کہ "جس شخص کے لیے سوال کرنا حلال نہ ہو اور وہ پھر بھی لوگوں سے سوال کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر خراشوں اور زخموں کے نشان ہوں گے"۔ (عن عبداللہ بن مسعود مشکوٰۃ ص ۱۶۳ رواہ ابوداؤد والترمذی وغیرھما)

یعنی وہ سوال جو اس نے لوگوں سے کیا وہ چہرے کی خراشوں اور زخموں کی صورت میں اس کے سامنے آئے گا۔ اور سوال میں صرف یہ داخل نہیں کہ آدمی پیالہ لے کر بھیک مانگے بلکہ کسی بھی شخص سے پیسے کھانے کی چیز مانگنا خواہ وہ خفیہ طریقے ہی سے ہو سوال میں داخل ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ یہ حرام ہے۔

ایک اہم مسئلہ

اس کے ساتھ ہی فقہاء کرام نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کے لیے سوال کرنا حرام ہو اس کو دینا بھی ناجائز ہے۔ اس لیے کہ جب وہ سوال کر رہا ہے تو حرام کا ارتکاب کر رہا ہے، اور اگر آپ نے اس کو دے دیا تو یہ گناہ میں معاونت اور

امداد شمار ہوگی لہٰذا ایسے شخص کو دینا بھی ناجائز ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں معلوم نہ ہو تو محض بدگمانی سے یا اس کے ظاہر حال سے اندازہ لگانا کہ یہ تو پیشہ ور آدمی ہے، دینے سے نہیں رکنا چاہیے۔

صدقہ کرنے کے بارے میں والدؒ صاحب کا طرز عمل

مجھے یاد آیا کہ جب ہم نئے نئے دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے تو ایک مرتبہ میں اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ' کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا ہوا جارہا تھا۔ چلتے چلتے گاڑی سگنل پر رکی، ایسی جگہوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ بھکاری بہت زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک بھکاری آ گیا اور اس نے کچھ مانگا۔ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ نے اسے کچھ نکال کر دے دیا ہم نے چونکہ اس وقت تازہ تازہ پڑھ رکھا تھا کہ جس شخص کے لیے سوال کرنا حرام ہو، اس کو دینا بھی ناجائز ہے تو میں نے اپنے اس تازہ مسئلے کی یاد کی وجہ سے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ، سے پوچھا کہ حضرت! یہ تو سب پیشہ ور قسم کے بھکاری ہوتے ہیں اور ان کو تو سوال کرنا ہی حلال نہیں ہوتا اور علامہ شامیؒ نے تو لکھا ہے کہ اس کو دینا بھی جائز نہیں ہوتا لہٰذا یہ مستحق بھی نہیں ہے۔ تو حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ انھی کے مقام کی بات ہے۔ فرمایا کہ بھئی! یہ کہاں کا استحقاق اور مستحق لیے پھرتے ہو، ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں ہی مستحق ہونے کی بناء پر دینے کا فیصلہ کرلیں تو ہمارا اور تمھارا کیا حق بنتا ہے؟ یہ جو رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہا ہے، اور اس کی نعمتیں تم پر

نچھاور ہو کر بارش کی طرح برس رہی ہیں، کیا تم اس کے مستحق ہو؟ اگر تم اپنے اعمال اور اپنے خیالاتِ زندگی کو دیکھو تو کوئی استحقاق دور دور سے بھی نظر نہیں آتا بلکہ اس بات کے مستحق ہیں کہ رزق کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ (اللہ محفوظ رکھے)

تو اگر اللہ تعالیٰ مستحق اور غیر مستحق کی بنیاد پر دینے لگے تو پھر ہمارا کیا حال بنے گا؟ اصل بات یہ تھی کہ فقہاء کرام نے یہ مسئلہ اسی شخص کے بارے میں کہا تھا جس کے بارے میں متعین طور پر معلوم ہو کہ اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں ہے اور اس کو دینے سے گناہ میں مزید ابتلاء کا اندیشہ ہو، لیکن اگر کوئی بھکاری آجائے تو اگرچہ قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ پیشہ ور ہے لیکن چونکہ یقینی طور پر معلوم نہیں اس لیے اس کو جھڑکنے کے بجائے دے دینا بہتر ہے۔ اور اسی کو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ

"وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ"

(پ ۳۰ سورۃ الضحیٰ آیت نمبر ۱۰)

کہ سائل کو مت جھڑکیے کیونکہ اس کے استحقاق کی حقیقت کا تو یقینی علم نہیں، ہاں اپنے نہ دینے کے عوامل میں اپنی حاجت و موقع اور حوصلہ دیکھا جا سکتا ہے مگر جھڑکنے سے ہر حال پر پرہیز کیا جائے۔

اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے

شروع میں تلاوت کی گئی حدیث کا دوسرا جملہ ہے

"وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ"

" کہ جب خرچ کرنے کا موقع آئے تو اس کی

ابتداء ان لوگوں سے کرو جو تمھاری زیر کفالت

ہیں۔" (رواہ البخاری عن حکیم بن حزام)

مثلاً بیوی، بچے اور اگر والدین معذور ہوں تو ان کو اور دوسرے اعزا واقرباء کو دینے سے پہل کریں، ان کو دینا بھی ثواب ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے بہترین صدقہ وہ ہے جو انسان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔

صدقہ کرنے میں اعتدال کی تعلیم

آنحضرت ﷺ نے حدیث کا تیسرا جملہ ارشاد فرمایا

"وَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنىً"

"بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غنا چھوڑ جائے"

(رولو البخاری عن حکیم بن حزام)

یعنی ایسا نہ ہو کہ پہلے تو دے دیا اب دوسروں سے مانگتے پھر رہے ہیں تو اس صدقہ کا کوئی حاصل نہیں۔ صدقہ بہترین وہی ہے کہ اتنا دو کہ اس کے بعد تمھیں احتیاج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ جو ہر چیز میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ اب دیکھیں! صدقہ کے بے شمار فضائل ہیں لیکن فرمایا کہ اس حد تک دو کہ اس میں بھی اعتدال کو مدنظر رکھو کہ خود تمھیں پریشانی نہ پیش آجائے ، کیونکہ زکوۃ ہم پر فرض ہے وہ مال کا چالیسواں حصہ ہے اور اس کے علاوہ جو ہے وہ

مستحب ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ آج تو جوش میں آکر سب دے دیا جائے اور پھر بعد میں حسرت اور افسوس کریں تو ایک نیک کام کرنے کے بعد اس پر حسرت میں مبتلا ہو جاؤ گے جو اتنا برا ہے کہ اس سے نہ کرنا بہتر ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا!

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً ﴾

"جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ نہ تو بہت اسراف کرتے ہیں اور نہ بہت بخل سے کام لیتے ہیں اور صحیح اعتدال کا راستہ ان دونوں کے درمیان ہے"

(پ ۱۹ س ۲۵ الفرقان آیت نمبر ۶۷)

لہذا خرچ میں اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ کہ انسان اعتدال سے کام لے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" (سورہ بقرہ آیت ۲۱۹)

"لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ تو آپ فرما دیجیے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کرو"۔

صدقہ کرنے کے بارے میں ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حضور اقدس ؐ کے بارے میں بعض روایات ایسی آتی ہیں کہ جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنا سب کچھ اللہ کی

راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ ایک طرف اس بات کا حکم ہے کہ صدقہ اتنا کرو کہ تمھیں پریشانی نہ ہو اور دوسری طرف خود اپنے گھر تین تین مہینے تک آگ نہیں جلتی تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم بعض اوقات متواتر تین مہینے تک ایسے رہتے تھے کہ ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ پھر کس طرح گذارا ہوتا تھا؟ تو فرمایا کہ "اَلْاَسْوَدَانِ اَلتَّمَرُ وَالْمَاءُ" دو چیزوں پر گذارا ہوتا تھا کھجور اور پانی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ مصلے پر نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو ابھی اقامت ہی کہی گئی تھی کہ ایکدم کوئی خیال آیا اور آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور گھر سے پھر واپس تشریف لائے۔ بعد میں صحابہ کرام نے پوچھا کہ یارسول اللہ! آج آپ نے ایسا عمل فرمایا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ مصلے پر کھڑے ہونے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور پھر واپس تشریف لائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں مصلے پر کھڑا ہوا تو مجھے خیال آیا کہ میرے گھر میں سات دینار پڑے رہ گئے ہیں، مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے شرم آئی کہ اس حال میں سورج غروب ہو کہ میرے پاس سات دینار ہوں، لہٰذا پہلے جا کر ان کو صدقہ کیا پھر نماز پڑھانے آیا ہوں۔ گویا روایات کا حاصل یہ نکلا کہ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی آتا تو آپ اسے دے دیتے تھے کہ آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہتا تھا۔ تو ایک طرف آپ ﷺ کا عمل ہے اور دوسری طرف یہ فرمان ہے کہ صدقہ اتنا کرو جس سے پریشانی نہ ہو؟ تو خوب سمجھ لیجیے کہ آنحضرت ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کا نفقہ اور خرچ ہر سال، شروع سال میں اکٹھا دے دیتے تھے لہٰذا جو نفقہ واجب تھا وہ ادا ہو جاتا تھا۔

اور ازواج مطہرات سبھی سخی النفس تھیں، وہ بھی صدقہ کر دیتی تھیں اور آنحضرت ﷺ خود بھی صدقہ کرتے رہتے تھے، لیکن ازواج مطہرات اپنا نفقہ وصول کرنے کے بعد اپنی خوشی اور رغبت سے صدقہ کرتی تھیں۔ اور ایسا بھی نہ تھا کہ اگر کچھ بھی نہ ہو تو پھر دوسروں سے مانگنا پڑے کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا وہاں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ طریقہ ہم جیسے کمزور لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ فرمایا کہ

"خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى"

"بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غناء چھوڑ جائے" (رواہ البخاری ومسلم)

خلاصہ یہ کہ انسان کو اپنے گھر میں بھی کچھ رکھنا چاہیے اور حضور اکرم ﷺ کے اپنے عمل کو سب کے لیے اصل حکم نہ سمجھا جائے۔

صوفیاء کرام کے احوال کا جائزہ

اسی طرح بعض صوفیاء کرام کے متعلق بھی ایسے ہی واقعات سننے میں آتے ہیں مثلاً حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ جو بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، گنگوہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنے گھر اور خانقاہ میں عالم استغراق میں بیٹھے رہتے تھے اور گھر میں کچھ کھانے پینے کو نہیں ہوتا تھا اور ہفتہ ہفتہ فاقے گزر جاتے تھے۔ ایک مرتبہ دس دن ایسے ہی گزر گئے، بچے رو رہے ہیں اور بلبلا رہے ہیں کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے تو ذرا سا منہ اٹھا کر تین

مرتبہ فرمایا کہ بہت دیگیں چڑھ رہی ہیں اور اس میں سے تمھارے لیے بھی بہت سا کھانا آنے والا ہے۔ اشارہ ان دیگوں کی طرف تھا جو جنت میں تیار ہو رہی ہیں۔ تو ادھر بچے بھوکے ہیں اور خود جنت کی باتوں میں محو ہیں۔ تو یہ بات بظاہر حدیث مذکور کے خلاف نظر آتی ہے کہ بچوں کے لیے خصوصاً نابالغ بچوں کے لیے تو ایسا حق ہے کہ وہ معاف کرنے سے بھی نہیں ہوتا یہ تو نفقہ ضروری ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ واقعات ان کے اس وقت کے خاص غلبۂ حال کی کیفیت میں واقع ہوتے ہیں۔ بعض بزرگوں پر استغراق کا ایسا عالم طاری ہوتا ہے کہ دنیا ومافیھا کا ہوش ہی نہیں رہتا تو اس حالت میں وہ جو بھی عمل کریں، اس میں معذور ہوتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی بے ہوش ہو اور وہ اسی مدہوشی کے عالم میں کوئی کام ایسا کرتا ہے تو وہ اللہ کے یہاں قابلِ مواخذہ نہیں ہے بلکہ معاف ہے، حتیٰ کہ اگر اس پر مسلسل چھ نمازوں کا وقت گذر گیا تو اس پر نماز بھی معاف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیاء کرام بھی ایسے غلبۂ حال کی وجہ سے مکلف نہیں رہتے۔ لیکن دوسرے کے لیے ان کے اس فعل کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ان کی معذوری کی کیفیت ہوتی ہے۔

حدیث کا آخری جملہ

"وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يغنه اللّٰهُ"

"جو شخص پاکدامنی اختیار کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ
اس کو پاکدامنی عطا فرمادیتے ہیں اور جو شخص اللہ

تعالیٰ سے یہ چاہے کہ میں کسی کا محتاج نہ بنوں تو
اللہ تعالیٰ اس کو بے نیازی عطا فرما دیتے ہیں"

(رواہ البخاری عن حکیم بن حزام)

یعنی جو شخص سچے دل سے عفت والی زندگی یا اللہ کے علاوہ دوسروں کی محتاجی سے بچنے والی زندگی کا طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں اگرچہ مشکلات اور مصائب آئیں۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

حافظ ابن کثیر نے "البدایہ و النہایہ" میں ایک عجیب وغریب سچا واقعہ نقل کیا ہے کہ روسی ترکستان کی طرف تین بزرگ رہتے تھے اور تینوں کا نام "محمد" تھا۔ ایک تو محمد بن جریر طبریؒ، جن کی تفسیر، تفسیر ابن جریر کے نام سے مشہور ہے، اور دوسرے محمد بن خزیمہؒ جو بہت بڑے محدث تھے اور ان کی "صحیفے خزیمہ" حدیث کی مشہور کتاب ہے، اور تیسرے محمد بن نصر انی المروزیؒ جو کہ بہت بڑے محدث تھے اور "قیام اللیل" کے نام سے ان کی ایک تصنیف مشہور ہے۔

ابتداء میں اپنے شہر میں رہ کر علم حاصل کیا لیکن سن رکھا تھا کہ بڑے بڑے علماء محدثین، فقہاء اور مفسرین عراق بغداد کے اندر رہنے والے ہیں۔ چنانچہ ان سے علم حاصل کرنے کا شوق ہوا۔ لیکن کہاں ترکستان اور کہاں بغداد اور عراق؟ بالآخر سفر کے ارادے سے جو کچھ بھی زادِ سفر تھا، لے کر بغداد کی طرف چل پڑے۔ اب ہوائی جہاز یا ریل گاڑی کا زمانہ تو تھا نہیں کہ اتنا لمبا سفر آسانی سے

طے ہو جاتا۔ خدا جانے کسی گھوڑے یا اونٹ پر یا پیدل ہی سفر طے کیا ہوگا؟ مہینوں کا سفر طے کرنے کے بعد ایسی حالت میں بغداد پہنچے کہ زادِ سفر ختم ہو چکا تھا۔ ایک دانہ بھی کھانے کے لیے موجود نہ تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ بغداد میں کوئی جاننے والا بھی نہیں کہ اسی کے پاس جا کر ٹھہر جائیں۔ بہر حال شہر کے کنارے ایک مسجد تھی اس میں جا کر ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ زادِ سفر تو ختم ہو گیا ہے اور آگے جانے سے پہلے کھانے پینے کا بندوبست کرنا ہے، اس لیے کہیں مزدوری کرتے ہیں تاکہ کچھ پیسے حاصل ہو جائیں اور کھانے پینے کا سامان حاصل ہو جائے، پھر کسی عالم کے پاس جا کر علم حاصل کریں۔ چنانچہ مزدوری کی تلاش میں نکلے لیکن کہیں مزدوری نہیں ملی اور سارا دن چکر لگا کر واپس آگئے، اسی حال میں تین دن فاقے کے گذر گئے اور کام بھی نہیں ملا۔ بالآخر تینوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ایسی حالت ہو گئی ہے کہ اب اگر کچھ کھانے کو نہ ملا تو جان جانے کا اندیشہ ہے اور اس حال میں اللہ تعالیٰ نے سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب سوائے سوال کرنے کے اور کسی کے پاس جا کر اپنی حالت بیان کرنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جبکہ تینوں بزرگ ایسے تھے کہ ساری عمر کسی نے ایسا کام کیا ہی نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے کہا کہ ایک آدمی ہی جا کر یہ کام کرے۔ پھر یہ سوال ہوا کہ کون کرے؟ تو قرعہ ڈالنے کی تجویز پر عمل کیا گیا، اس میں سے محمد بن جریر طبری کا نام نکلا، محمد بن جریر طبری نے کہا کہ قرعہ میں نام نکلنے کی وجہ سے جانا تو پڑے گا لیکن جانے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کی مہلت دیدو، چنانچہ انھوں نے اجازت دے دی۔ محمد بن جریر نے وضو کر کے دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی

ر نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! یہ ہاتھ آج تک آپ کی
.گاہ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں پھیلے، آج ایسی مجبوری آپڑی ہے کہ اگر آپ
پنے فضل سے کوئی ایسا راستہ نکالیں تو یہ ہاتھ کسی دوسرے کے سامنے نہیں پھیلیں
گے، اور آپ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ نجانے ان کی دعا میں کیا تاثیر تھی کہ ابھی دعا
نگ ہی رہے تھے کہ مسجد کے دروازے پر ایک آدمی ایک خوان لیے کھڑا نظر آیا،
ور تینوں بزرگوں کا نام لے کر ان کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ یہ بڑے
حیران ہوئے کہ پورے بغداد میں ہمیں جاننے والا کوئی نہیں، ہم تو اجنبی اور مسافر
ہیں، غرض اس نے کہا کہ آپ کے لیے حاکم بغداد نے کھانا بھیجا ہے۔ انھوں نے کہا
کہ کھانا تو ہم بعد میں لیں گے لیکن یہ بتاؤ کہ بغداد کے حاکم سے ہمارا کیا تعلق ؟ بغداد
شہر میں تو ہمیں کوئی جانتا ہی نہیں اور نہ ہم کسی کو جانتے ہیں۔ تحقیق کرنے پر
معلوم ہوا کہ آج رات جب بغداد کا حاکم سویا تو اسے خواب میں آنحضرت ﷺ کی
زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم کیسے بغداد کے حاکم ہو؟
تمھارے شہر کے اندر ہمارے تین مہمان اس حال میں پڑے ہیں کہ ان پر تین دن
سے فاقہ ہے اور ان کے کھانے کا کوئی انتظام نہیں، پھر خواب میں
آنحضرت ﷺ نے انکا پورا پتہ بتایا کہ بغداد کی فلاں مسجد ہے اور ان میں سے ایک کا
نام محمد بن جریر ہے، دوسرے کام نام محمد بن خزیمہ اور تیسرے کا نام محمد بن نصر
ہے۔ تو حاکم بغداد نے بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مجھے یہ کھانا
دے کر آپ حضرات کی خدمت میں بھیجا ہے۔ تو ابھی دعا سے فارغ بھی نہ ہوئے
تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہاں مانگنے کی دیر ہے

اور حقیقت میں ہم لوگ مانگنا بھی نہیں جانتے، مانگنا آجائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی صاحبؒ یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

کوئی جو ناشناس اداء ہو تو کیا علاج؟
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

اگر یہ سوال ہو جائے

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یوں سمجھو اور ذرا تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حاضر ہو، میدان حشر قائم ہے اور نامۂ اعمال کے دفتر کھلے ہوئے ہیں، سوال وجواب ہو رہا ہے اور پوچھا جارہا ہے کہ تم نے یہ عمل کیوں کیا؟ فلاں معصیت کیوں کی؟ تو تم نے جواب دے دیا کہ ہمارا ماحول خراب ہو چکا تھا، چاروں طرف گناہ کا راج تھا، حالات بگڑ چکے تھے، بچنا چاہتے تھے مگر بچ نہیں سکتے تھے کیونکہ سنبھلنا ہی مشکل تھا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے یہ پوچھ لیا کہ تمھارے لیے گناہوں سے بچنا مشکل تھا تو کیا ہمارے لیے بچانا بھی مشکل تھا؟ ہم سے کیوں نہ بچنے کی توفیق مانگی؟ کہ اے اللہ! موجودہ حالات میرے بس سے باہر ہیں تو ہی مجھے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم پورے قرآن میں بار بار اعلان کرتے رہے کہ

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْر""

"بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

جب ہم ہر چیز پر قادر تھے تو ہم سے اسی قدرت کے واسطے سے کیوں نہ مانگا؟ تو

پھر کیا جواب دو گے ؟ تو حضرت فرماتے تھے کہ اس لیے اگر آدمی ابھی بچنا چاہے تو عذر اگرچہ وہی رہے لیکن اللہ سے مانگے اور اسی کی طرف رجوع کرے اور جب کسی گناہ کا محرک سامنے آئے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں آتا ہے۔

"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا"

"عورت نے ان کا فکر کیا اور انھوں نے عورت کا فکر کیا" (پ ۱۲ سورۃ یوسف آیت نمبر ۲۴)

لیکن جب اس بڑی آزمائش میں گھر گئے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگئے، اس نے قبول فرما کر آپ کی مدد کی۔

آیۃ کریمہ کی فضیلت

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب قدس اللہ سرہ بڑی بڑی عجیب باتیں فرماتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ وہ کس طرح مچھلی کے پیٹ میں گئے ؟ کہ ان کو کشتی والوں نے پھینک دیا، مچھلی آئی اور نگل گئی اور تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور تاریکیوں میں گھرے ہوئے پکارنے لگے۔

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

اور مسلسل تین دن تک پڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔

"فَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ" (پ۱۷ سورۃ انبیاء آیت نمبر ۸۸)

ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کو اس غم سے جس میں وہ مبتلا تھے، نجات دی اور تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا۔ اگلا جملہ ارشاد فرمایا'

"وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ"

"اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں"۔

تو ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ مچھلی کا قصہ ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتا لیکن اس کا منشاء یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ کی تاریکیاں تو حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھیں لیکن گناہوں، معصیتوں اور فسق وفجور کا سامنا ہر مومن مرد وعورت کو پیش آتا ہے۔ گویا حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں پھنسے اور مومنین گناہوں کی تاریکیوں میں پھنستے ہیں، تو جو کام حضرت یونس علیہ السلام نے کیا وہی کام ہمیں بھی کرنا ہوگا یعنی

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"

پڑھنا ہوگا، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فضل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت ہمارے دلوں میں ڈال دے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

استغفار کی توفیق بھی بہت بڑی چیز ہے

اور اسی طرح حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دعا

تو شرق کی طرف جانے کی کر رہا ہے اور سفر مغرب کی طرف کر رہا ہے، کیونکہ وہ دعا نہ ہوگی بلکہ وہ تو مذاق ہو جائے گا۔ اور پھر بھی بتقاضئہ بشریت کوئی کمی رہ جائے اور کسی گناہ میں مبتلاء ہو جائے تو استغفار کی توفیق ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ اس توفیق سے وہ گناہ بھی تمھارے حق میں بہترین کیا گیا، اس لیے کہ اس کے نتیجے میں دل میں ملامت پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، اس لیے یہ دعا کسی بھی حال میں فائدے سے خالی نہیں۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو چاہیے کہ ہر روز سونے سے پہلے اس کو پڑھا کرے اور دعا کیا کرے کہ اے اللہ! حالات ایسے ہیں، معاشرہ بگڑا ہوا ہے اور معصیتوں کا ایک طوفان چھایا ہوا ہے، چاروں طرف گناہوں کی آگ لگی ہوئی ہے جس کی وجہ سے بچنا بہت مشکل ہے، میں توبہ کی ہمت اور توجہ کرتا ہوں لیکن وہ برقرار نہیں لہذا حوصلہ عطا فرما دیجیے۔ یہ عمل روزانہ کریں گے تو ایک انقلاب آپ کی زندگی میں رونما ہوگا۔ آنکھوں نے اس دعا کے بے شمار کرشمے دیکھے ہیں، اگرچہ یہ نسخہ بہت آسان سا ہے لیکن اس کے فوائد بڑے عظیم الشان ہیں مگر چونکہ معمولی ہے اس لیے توجہ ہی نہیں کی جاتی اور جب توجہ دلائی جاتی ہے تو سوچتے ہیں کہ کل کریں گے۔ یاد رکھیں! جو کام کل پر ٹالا گیا وہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا فوری طور پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مفہوم حدیث پر بھی عمل ہو جائے گا۔ غرض بات چل رہی تھی صدقہ کی جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر صدقہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

فضیلت صدقہ سے متعلق آیات

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا
الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ
تُغْمِضُوْا فِیْهِ۔

اے ایمان والو! (نیک کام میں) خرچ کیا کرو،
عمدہ چیز ہو، اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو
کہ ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور
ردی (ناکارہ) چیز کی طرف نیت مت لیجایا کرو کہ
اس میں سے خرچ کرو، حالانکہ تم کبھی اس کے
لینے والے نہیں، ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ (تو اور
بات ہے) (پ ۳ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۶۷)

صدقہ کے متعلق قرآن و حدیث میں ایک اہم مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ بعض لوگ سب سے گھٹیا اور بے قیمت صدقہ میں دے دیتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں اردو میں مثل مشہور ہے کہ "مری ہوئی بھیڑ اللہ کے نام"۔ اور اسی طرز عمل پر قرآن کریم نے آیت مذکورہ میں توجہ دلائی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ
تم نیکی کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے جب تک کہ

اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو۔

(پ ۴ سورہ آل عمران آیت نمبر ۹۲)

اور ہمارے معاشرے میں یہ عمل پایا جاتا ہے کہ بے کار چیز صدقہ میں دے دی جاتی ہے۔ جس سے صدقہ کی فضیلت جو کہ مقصود ہے، حاصل نہیں ہوتی۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے حضرات صحابہ کرامؓ کا حال یہ تھا کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جوق در جوق آنا شروع ہو گئے اور ہر شخص نے اپنی مملوکہ چیزوں میں سے سب سے زیادہ محبوب چیز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔

حضرت ابو طلحہؓ کی سخاوت

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنی تمام مملوکات میں سے زیادہ محبوب وہ باغ ہے جس میں ایک کنواں ہے جس کا پانی بڑا میٹھا تھا اور بڑی وافر مقدار میں تھا۔ آنحضرت ﷺ اکثر وہاں پر تشریف لے جاتے اور پانی نوش فرماتے تھے۔ تو وہ باغ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اللہ کا ارشاد ہے

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

اس لیے میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا

"بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ"

"واہ واہ یہ تو بڑے نفع کا مال ہے"

اور پھر مشورہ دیا کہ اپنے قریبی اعزا کو صدقہ کرو چنانچہ انھوں نے اسے اپنے قریبی اعزا جن میں حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ بھی تھے، پر صدقہ کر دیا۔

دیگر صحابہ کرامؓ کا جذبہ

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنے سارے مال میں سب سے زیادہ پسندیدہ اپنا وہ گھوڑا ہے جسے میں نے بڑے پیسے خرچ کر کے شوق سے حاصل کیا تھا، میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مذکور پر عمل ہو جائے۔ ایک اور صحابیؓ نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اپنی تمام مملوکات میں غور کیا تو مجھے اپنی کنیز سب سے زیادہ محبوب نظر آئی میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں صحابہ کرامؓ تو اس حد تک عمل فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ محبوب چیز صدقہ فرمادیتے تھے حالانکہ حکم صرف محبوب چیز کو خرچ کرنا تھا لیکن صحابہ کرامؓ اس میں زیادہ ثواب سمجھتے تھے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں

اس لیے ہمیں چاہیے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں۔ کہ زکوٰۃ فرض ہے ہی لیکن اس کے ادا کرنے سے چھٹی نہیں ہو جاتی، جس طرح نماز میں فرائض پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ سنتیں بھی پڑھنی پڑتی

ہیں اس کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی اس طرح زکوٰۃ ادا کر کے یہ سمجھنا کہ اب آپ کو کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہی یہ بڑی غلط فہمی کی بات ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

﴿إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ﴾

"انسان کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہیں (یعنی صدقات وغیرہ)" (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

چنانچہ ہمارے بزرگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ نکال کر الگ کر لیتے تھے تاکہ صدقہ کر سکیں۔

صدقہ کرنے میں بزرگوں کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا ہے کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے مال کا خمس یعنی پانچواں حصہ جو کہ بیس فیصد بنتا ہے نکال کر ایک الگ تھیلے میں رکھ لیتے تھے تاکہ ان کو مصارفِ خیر میں خرچ کر سکیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ کے بارے میں میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ وہ اپنی املاک کا دسواں حصہ اسی کام کے لیے نکالا کرتے تھے۔ اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، کا معمول بھی یہی تھا۔ بلکہ حضرت والد صاحبؒ نے یہ کر رکھا تھا کہ جو آمدنی محنت سے حاصل ہو اس کا بیسواں حصہ اور بلا محنت کے ہو اس کا دسواں حصہ نکالا کرتے

تھے۔ اور ایک تھیلا بنا رکھا تھا جس پر "صدقات و خیرات" لکھا ہوا تھا، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خرچ کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور وقت پر انسان کو سوچنا نہیں پڑتا۔ میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ کو دیکھا کہ ان کے پاس دس روپے آئے تو فوراً اس میں سے ایک روپیہ الگ کرنا چاہا لیکن پیسے ٹوٹے ہوئے نہ تھے تو کسی کو بھیج کر ٹوٹے ہوئے پیسے منگوائے اور اس میں سے ایک روپیہ اس تھیلے میں ڈال دیا۔ اس اہتمام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس تھیلے میں ایسی برکت رکھی تھی کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے اس تھیلے کے ذریعے ایسے ایسے کام لیے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے اپنے ہندوستان کے اعزاء کے کام کروا رہے ہیں اور اسی کی برکت سے کبھی وہ تھیلا میں نے خالی نہیں دیکھا۔ یہ کام بظاہر دشوار دکھائی دیتا ہے لیکن اس سے بہت سے لوگوں کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں اور یہ کام ہر انسان کر سکتا ہے خواہ کتنا ہی غریب ہو۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس ایک روپیہ آیا اور اس نے ایک آنہ نکال لیا، ہوتے ہوتے وہ ایک روپیہ بن گیا اور وہ اس نے صدقہ کر دیا تو وہ صدقہ اور ایک امیر آدمی کا ایک لاکھ میں سے ایک ہزار کا صدقہ دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ دونوں نے برابر حصہ نکالا ہے اور اللہ تعالیٰ گنتی کو نہیں دیکھتے وہ تو دل اور جذبہ کو دیکھتے ہیں۔ دنیا اور مال کی محبت سارے فساد کی جڑ ہے اس کو ختم کرنے کے لیے ہی صدقات کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت ابو طلحہؓ کے واقعہ والی حدیث

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ
كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنْهُ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ
مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبُّ
اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ
مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْ خُلُهَا وَ
يَشْرَبُ مِنْ مَآءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ
قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ
الْاٰيَةُ جَآءَ اَبُوْ طَلْحَةَ رَضِیَ
اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اُنْزِلَ عَلَيْكَ
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا
مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِیْ
اِلَیَّ بَيْرَ حَاءُ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ
تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا
عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَضَعْهَا يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَيْثُ اَرَاكَ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو
طلحہؓ انصار مدینہ میں کھجوروں کے
باغات کے اعتبار سے سب سے
زیادہ مالدار تھے اور انھیں اپنے
مالوں میں سب سے زیادہ محبوب
بیر حاء تھا جو مسجد رسول اللہ ﷺ
کے سامنے واقع تھا اور رسول
اللہ ﷺ اس میں تشریف لاتے
اور اس میں پاکیزہ پانی پیا کرتے تھے
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب
یہ آیت (لن تنالوا البر) نازل ہوئی
تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اکرم ﷺ
کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا
رسول اللہ! یہ باغ اللہ تعالیٰ کی رضا
کے لیے صدقہ ہے، اللہ تعالیٰ کے
پاس اس کی بھری اور ذخیرہ ہونے
کی امید رکھتا ہوں۔ پس یا رسول
اللہ! آپ جہاں مناسب خیال
فرمائیں اسے تصرف میں لائیں

اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَخٍ بَخٍ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَ اِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَفْعَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَّمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِیْ اَقَارِبِهٖ وَ فِیْ بَنِیْ عَمِّهٖ (متفق علیه)

تو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا واہ واہ، وہ تو نفع والا مال ہے اور میں نے تمہاری بات سن لی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اسے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا ہی کروں گا اور اسے اپنے رشتے داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

(بخاری ص ۶۵۴ ج ۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ان کی طرح اللہ کی راہ پر خرچ کرنے والا بنائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ریاکاری اور اُسکا علاج

﴿ریاکاری اور اس کا علاج﴾

بعد از خطبہ مسنونہ

﴿ اما بعد! عَنْ جُنْدُبَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَاءِ يُرَاءِ اللّٰهُ بِهٖ (متفق علیه) ﴾

حدیث کا مطلب اور اس کا مفہوم

”حضرت جندب بن عبد اللہ بن سفیانؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی کام شہرت کے لیے کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بدنام کر دیتے ہیں اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کی خاطر کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس کا انجام بالآخر یہ ہوتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ حقیقت لوگوں کو دکھادیتے ہیں کہ یہ شخص جو کچھ کر رہا ہے، سب دکھاوے کے لیے کر رہا ہے"۔ (بخاری ص ۹۶۲ ج ۲)

اس حدیث کے اندر نبی کریم ﷺ نے دو بیماریوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱۔ ریاء ۲۔ سمعۃ (شہرت پسندی)

"سمعۃ" کا معنی ہوتا ہے کہ دین کا کوئی کام طلبِ شہرت کے لیے کیا جائے۔ اور اگر کوئی کام دکھاوے کے لیے کیا جائے تو اس کو ریا کہتے ہیں۔ گزشتہ جمعہ میں عرض کیا گیا تھا کہ جس خُلق کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے وہ اخلاص ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ اللہ کی رضا کے لیے ہو دنیا مقصود نہ ہو۔ تو تحصیل اخلاص فرض اور اس کا برعکس یعنی ریا حرام ہے۔ دراصل اخلاص ہی تمام اعمال کی روح ہے، اگر اخلاص نہیں تو عمل خواہ کتنا ہی کرلے وہ بیکار ہے۔ اور جس نسبت سے اخلاص کی کمی ہوگی اسی نسبت سے اس عمل کا فائدہ کم ہو جائے گا لہذا اخلاص اعمال کی روح ہے اور سمعۃ وریا اعمال کو برباد کر دینے والی چیزیں ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے) دکھاوے کی بیماری ایسی ہے کہ اس سے چھٹکارا آسانی سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے محنت درکار ہے۔ یہ ایسا باریک مرض ہے کہ بسااوقات مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بیمار ہے لہذا پہلے اس کی تھوڑی سی حقیقت سمجھ لیں پھر بزرگوں کا تجویز کردہ علاج بھی مقصودِ بیان ہے۔

ریا کی اصل

دراصل ریا ایک بہت بڑی بیماری "حب جاہ" کا ایک شعبہ ہے۔ اور ان

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جاہ تو کسی بھی ایسے طریقے سے حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جس سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنا مقصود ہو، لیکن ریاء اس عبادت میں پائی جاتی ہے کہ جو آدمی اس غرض سے کرے کہ لوگوں کے دلوں میں میری وقعت پیدا ہو جائے یا بڑھ جائے۔ مثلاً ایک آدمی شہرت چاہتا ہے اور اس کی خاطر وہ ہر روز اخبارات میں اشتہار چھپواتا ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں اس کا نام اچھی طرح جم جائے اور اسکی شہرت ہو جائے تو اس کا یہ عمل جاہ طلبی اور حب جاہ تو ہے لیکن ریا نہیں، کیونکہ ریا عبادت میں ہوتی ہے اور اخبار میں اشتہار دے دینا عبادت نہیں ہے۔ ریا کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک آدمی لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ رہا ہے یا صدقہ کر رہا ہے، اس غرض سے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو یہ ریا ہے۔ تو حبِ جاہ ایک عام چیز ہے جس کا ایک شعبہ ریا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ عابد کی نگاہ خالق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف چلی جاتی ہے۔

ریا کا پہلا درجہ

آدمیوں کے لحاظ سے ریا کے چند درجے ہیں جن میں سے بعض درجے تو ایسے ہیں کہ جن سے کفر اور شرک تک نوبت آجاتی ہے، بعض اس سے کچھ کم اور بعض اس سے بھی کم درجے ہیں۔ مثلاً سب سے بڑی اور خطرناک ریا ایمان کے اندر ریا کا ہونا ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے لیکن لوگوں کو اپنے دنیوی مقاصد حاصل کرنے کی خاطر، عبادت گذار بن کر دکھانا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا

جس کو دوسرے الفاظ میں "نفاق" کہتے ہیں یعنی دل میں کچھ ہو اور ظاہر میں کچھ ہو۔ نفاق بھی ریا کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ اور منافقین کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ

"منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے"۔ (آیۃ ۱۴۵ سورۃ النساء)

یعنی کفار سے زیادہ عذاب میں منافقین ہوں گے کیونکہ وہ کافر بھی ہیں اور دھوکہ بھی دے رہے ہیں جو کہ سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے۔

ریا کا دوسرا درجہ

دوسرے درجے کی ریا کو "فرائض کے اندر" ریا کہا جاتا ہے کہ ویسے کسی شخص کو نماز پڑھنے کی عادت نہیں ہے لیکن کسی موقع پر لوگوں میں پھنس گیا جہاں سوائے پڑھنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا، کیونکہ اگر نہیں پڑھتا تو لوگ "بے نمازی" کہیں گے تو لوگوں کے سامنے اپنے بے نمازی ہونے کو چھپانے کے لیے نماز میں شامل ہو گیا۔ تو ایک صورت تو یہ ہے کہ اس وقت خیال آیا کہ اگر اس وقت نماز کی توفیق مل رہی ہے تو پڑھ ہی لوں گا ایسی صورت میں امید ہے کہ انشاء اللہ ریا سے بچ جائے گا لیکن اگر دل میں بھاگنے کا ارادہ ہے مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے ادا کر لینا "فرائض کے اندر" ریا ہے۔ اگرچہ یہ شرک سے کم ہے لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک پھر بھی شرک ہی ہے اس لیے کہ وہ خالق کے لیے نہیں پڑھ رہا بلکہ مخلوق کے لیے پڑھ رہا ہے تو جو آدمی نماز کا پابند ہو گا وہ انشاء اللہ اس ریا میں شامل نہیں ہو گا۔

ریا کا تیسرا درجہ

تیسرا درجہ "نوافل کی ریا" کا ہے کہ ویسے تو نفل پڑھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ نفل پڑھنے کا عادی ہے اور نہ اس کا پڑھنے کا ارادہ ہے لیکن ایسے مجمع میں پھنس گیا کہ جہاں تمام لوگ نوافل پڑھ رہے ہیں تو اگر دل میں خیال آ گیا کہ پہلے تو توفیق نہیں ہوئی لیکن آج اللہ نے توفیق عطا فرمادی ہے تو پڑھ لیتا ہوں، یہ ریا نہیں ہے بشرطیکہ اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو اور موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پڑھے۔ لیکن اگر اس فکر میں ہے کہ موقع ملے تو بھاگ جاؤں مگر موقع نہ ملا اور دکھاوے کے لیے پڑھ لی تو یہ ریا ہی ہے۔

ریا کا چوتھا درجہ

اسی طرح "نماز کی کیفیت کی ریا" بھی ہوتی ہے یعنی عام حالات میں نماز بڑی بھاگ دوڑ میں پڑتا ہے اور آداب وغیرہ کی رعایت نہیں کرتا لیکن کسی ایسی جگہ چلا گیا، جہاں اس نے دیکھا کہ اگر میں نے اسی طریقے پر نماز پڑھی تو لوگ اس کو برا سمجھیں گے تو یہ "نماز کی کیفیت" میں ریا ہے اور اس کا مقصود بھی لوگوں کو دکھانا ہی ہے تو یہ بھی باعثِ گناہ ہے۔

ریا کا پانچواں درجہ

ریا کا پانچواں درجہ "نوافل کی کیفیات میں ریا" کا ہے کہ کبھی اتنی لمبی

قرات، رکوع اور سجدہ نہیں کرتا لیکن معتقدین کے سامنے نماز کو لمبا کر کے پڑھ رہا ہے تاکہ وہ بد ظن نہ ہو جائیں تو لوگوں کے اس اعتقاد کو سامنے رکھتے ہوئے نماز میں طوالت کرنا بھی ریاکاری ہے۔

اور یہ معاملہ بکثرت ہر شخص کو پیش آتا ہے کہ کسی کو دیکھ کر نماز میں خشوع و خضوع پیدا ہو گیا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ریا سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے؟ آیا اس پیدا ہونے والے خشوع و خضوع کو ترک کر دے؟ یا اسی طرح نماز پڑھتا رہے اور صرف نیت درست کر لے۔

اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں محققین اور صوفیاء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسے آدمی کو پہلے طریقے ہی پر نماز پڑھنی چاہیے اور اس خشوع و خضوع کا دھیان نہ کرے جو دوسرے کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خشوع و خضوع کی اس کیفیت کو ظاہر کر کے نیت خالص کر لینی چاہیے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہی بات زیادہ بہتر ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے لیکن چونکہ ایسی حالت میں نیت درست کرنا عام طور پر بڑا مشکل ہوتا ہے اس لیے آسان تدبیر یہی ہے کہ اس میں تبدیلی پیدا نہ کرے اور اسی طریقے سے نماز پڑھتا رہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں جو انسان خود حل نہیں کر سکتا اسی لیے ریا کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے اعمال کی اصلاح کسی شیخ یا مرشد سے کرواؤ اور اس سے مشورہ حاصل کر کے اس کی رائے پر عمل کرو۔

ریاہر عبادت میں ہو سکتی ہے

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ریا صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام عبادات میں ریا ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کسی کو صدقہ دے رہا تھا اس کا ارادہ پانچ روپے دینے کا تھا لیکن کسی ملنے والے کو سامنے سے آتا دیکھ کر دل میں خیال ہوا کہ طعنہ دے گا کہ اتنا امیر آدمی ہے اور پانچ روپے صدقہ دے رہا ہے اس لیے اس نے دس روپے صدقہ میں دے دیے تو یہ اضافہ اللہ کے لیے نہ ہوا۔ اور اگر پانچ روپے دینے میں صدقہ کا داعیہ تھا تو وہ اللہ کے لیے ہوئے اور یہ زائد ریا ہوئے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ریا ہر عبادت میں ہو سکتی ہے اور یہ شیطان کا بڑا موثر حربہ ہے، کیونکہ جب وہ انسان کے اندر اللہ کی طرف دھیان پیدا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بڑا گھبراتا ہے کہ اگر یہ ایسا ہی رہا تو پھر یہ میرے چنگل سے نکل جائے گا لہذا اس وقت شیطان یہ حربہ استعمال کر کے اس کے عمل کو خراب کر دیتا ہے اور وہ عمل ریا میں شامل ہو جاتا ہے جو کہ حرام ہے۔

ریا کا ایک اور خفی درجہ

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی نے تنہائی میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ کوئی عمل کیا لیکن بعد میں ایک آدمی آ کر اس کے اس عمل کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھ لیا تھا، اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپ جیسا اخلاص عطا فرمائے تو وہ عمل کرنے

والا شخص اس تعریفی جملے کو سن کر خوش ہو گیا اور مزے لینے لگا تو صوفیاء کرام کے نزدیک یہ بھی ریا کا ایک خفی درجہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تعریفی جملے کی عادت پڑ جاتی ہے اور پھر انسان اسی کی خاطر عمل کرتا ہے۔

ایک صحابیؓ کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! بعض اوقات ہم بھرپور اخلاص سے کوئی عمل کرتے ہیں، بعد میں کسی کے منہ سے اپنی تعریف سن کر دل خوش ہو جاتا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا

﴿تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ﴾

"یہ مومن کے لیے فوری خوش خبری ہے"

(فی المشکوٰۃ ۴۵۴ عن ابی ذر رواہ مسلم)

کہ چونکہ اس عمل میں محرک اللہ کی رضا تھی اس لیے اللہ تعالیٰ اس عمل پر دنیا ہی میں اپنے بندوں کے ذریعے خوشخبری دے دیتے ہیں کہ تمھارا یہ عمل اللہ کے یہاں قبول ہے لہٰذا یہ ریا نہیں۔ لیکن یہ اسی وقت ہے کہ وہ آدمی تعریف سنتے ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے میرا اچھا حال اس پر ظاہر کیا ہے، ورنہ اگر اس پر میری حقیقت ظاہر ہو جاتی تو یہ تعریف کرنے کے بجائے میرے اوپر لعنت بھیجتا تو اس خیال سے انشاء اللہ وہ شیطان کے وار سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر وہ مزے لے رہا ہے تو یہ کیفیت آئندہ چل کر اس کو حقیقی ریا میں مبتلا کر کے تباہ کر سکتی ہے۔ اسی لیے اس کو "خفی ریا" کہا گیا ہے۔

انسان کے تواضع کی پہچان

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ یہ جو ہم اکثر اوقات اپنے آپ کو حقیر، فقیر اور عاجز و ناکارہ کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ میری تواضع ہے لیکن در حقیقت یہ "تواضع کی ریا" ہوتی ہے اور کہنے والے کا مقصد ہوتا ہے کہ سننے والا اس کو عالم و فاضل کہے۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے آپ کو ایسا ظاہر کیا اور دوسرے نے اس کی تائید میں جواباً "بیشک" کہدیا تو اس وقت اس کی حالت دیکھنے والی ہوتی ہے اور اس کے دل پر زبردست گرانی ہوتی ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنے بارے میں سچے دل سے یہ الفاظ نہیں کہہ رہا تھا بلکہ وہ ان عاجزانہ الفاظ سے تواضع کا دکھاوا کر رہا تھا۔

تواضع کی حقیقت تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو فنا کر ڈالے اور اپنے آپ کو ناکارہ سمجھے اور اس کو اپنے اندر کسی فضیلت کا اعتقاد نہ ہو۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک بزرگ کا قصہ میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ کی مجلس میں لوگ آتے اور ان کے وعظ کی تعریف بھی کیا کرتے تو یہ بزرگ اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ مریدین میں سے کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کا عجیب معاملہ ہے کہ آپ تعریف سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ تو ان بزرگ نے فرمایا کہ دراصل بات یہ ہے کہ میرا اپنی تعریف پر خوش ہونا تعریف

کی مسرت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس وقت میں اس بات پر خوش ہوتا ہوں کہ اللہ کتنا کریم ہے؟ کہ مجھ جیسے آدمی کے لیے اس کے دل میں کیسا خیال اور گمان پیدا کر دیا۔ تو نہ انھوں نے ظاہری اعتبار سے اپنے آپ کو حقیر کہا اور نہ ہی اپنی تعریف کا رد کیا لیکن دل میں اللہ کے کرم کا احساس ہے۔ خلاصہ یہ کہ ریا کے شعبے اور جزئیات بے شمار ہیں، بسا اوقات ان کو پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ریا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان

اور ریا اتنی خطرناک بیماری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

﴿ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ ﴾

"جس شخص نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی تو اس نے
مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا" (مشکوۃ ص ۴۵۵)

اس لیے کہ حق تو اللہ کو راضی کرنا تھا لیکن تم نے مخلوق کو شریک کر لیا تو یہ شرک ہو گیا آگے فرمایا:

﴿ وَمَنْ صَامَ یُرَاءِیْ فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ ﴾

"جو شخص ریا کی خاطر روزہ رکھے تو اس نے
مخلوق کو اللہ کا شریک ٹھہرایا"

(مشکوۃ ص ۴۵۵ رواہ احمد عن شداد بن اوس)

تو یہ ایسی خطرناک بیماری ہے، کہ جس کی حد شرک کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ [illegible] اتنی ہے کہ قدم قدم پر اس کے شائبے [illegible] ہوتے ہیں۔

ریا کا علاج اور اس کی مثال

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کا علاج یہ ہے کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کر کے اس سے ہدایات حاصل کرے۔ اور بزرگوں نے اس کا علاج یہ بھی فرمایا ہے کہ اس بیماری کی جڑ اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت کی کمی ہے تو جتنی اللہ جل شانہ کی محبت پیدا ہو گی اتنی ہی ریا سے دوری ہو گی اور خالق کی طرف نگاہ رہے گی، مخلوق کی طرف نہیں جائے گی۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے اور بادشاہ نے آپ کو اپنے دربار میں کسی کام سے بلایا، آپ اس کے سامنے جا کر کھڑے تو ہو گئے لیکن نہ نگاہ بادشاہ کی طرف ہے اور نہ دھیان اس کی طرف ہے۔ اور دوسری طرف ایک حبشی غلام کھڑا ہے، اس کی طرف دیکھ بھی رہا ہے اور متوجہ بھی ہے۔ تو آپ کا بادشاہ کی طرف سے بے توجہ ہونا، بادشاہ کی بڑی زبردست توہین ہے جو وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں بادشاہ کی کوئی وقعت نہ ہو، اس لیے اگر دل میں اس کی وقعت ہے تو اس کے علاوہ کسی اور کی طرف دھیان جا ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی جب اللہ جل شانہ کی محبت یا عظمت دل میں آ جائے تو پھر مخلوق کی طرف نگاہ ہو ہی نہیں سکتی اور حب جاہ اور ریا جیسی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطا فرما دیتے ہیں تو پھر وہ کسی کی طرف دھیان نہیں کرتے، اس کی مثال بالکل ایسے ہے کہ جب سورج نکل آتا ہے تو چونکہ تارے اس کے نور کو برداشت نہیں کر سکتے اس لیے وہ سورج کے احساس سے ہی غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ کی محبت کے آگے ساری محبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

صوفیاء کرام نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ

جدھر دیکھتا ہوں، ادھر تو ہی تو ہے

اس بات کے لیے صوفیاء کرام نے "وحدت الوجود" والی بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ ؎

جب مہر نمایاں ہوا، سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

منصور حلاجؒ کا قصہ

منصور حلاجؒ ایک بہت بڑے صوفی گذرے ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے "اناالحق" کہدیا کہ میں ہی حق یعنی اللہ ہوں۔ اس پر دُنیوی احکام، قتل پھانسی وغیرہ کے جاری ہو گئے، لیکن ان کا مقصد خدائی کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں، وہ اپنی جگہ درست تھے لیکن اس پر علماء کرام کے فتوؤں کے مطابق احکامات جاری ہوئے، میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ جب علماء نے ان کے اس قول (انا الحق) کی وجہ سے ان پر فتویٰ لگایا کہ یہ تو ارتداد ہے اور مرتد واجب القتل ہوتا ہے لہذا اس کو قتل کر دیا جائے تو اسی وقت حضرت جنید بغدادیؒ بھی موجود تھے اور فتوے کے اوپر دستخط کے وقت بھی موجود تھے۔ تو منصور نے جب ان کو کھڑے دیکھا تو کہا کہ جنید! جتنے بھی لوگوں نے میرے قتل کا فتویٰ دیا ہے، مجھے نہ ان سے کوئی شکایت ہے اور نہ ہی ان کی پرواہ ہے لیکن تم نے علم رکھنے کے باوجود دستخط کیوں

کہنے اور تم کیوں آئے؟ تو حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ حقیقت چاہے کچھ ہو، لیکن حکم وہی ہے جو فقہاء کرام نے دے دیا، اسی لیے میں نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ حالانکہ ان کا مقصد یہ تھا جو کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے اور بس۔ یہ بات درمیان میں آگئی تو کہہ دی لیکن یہ قابل تقلید نہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھار ایسا شدید احساس پیدا فرما دیتے ہیں کہ ایک اللہ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔

کسی بزرگ سے ایک سوال

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب فرعون نے "اَنَا الْحَقُّ" اور اَنَارَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کہا تو قرآن نے بھی اس پر لعنت بھیجی ہے اور منصور نے بھی "اَنَا الْحَقُّ" کہا تھا لیکن منصور کا نام آنے پر رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے تو ان دونوں کے کہنے میں کیا فرق ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ فرق یہ ہے کہ فرعون نے "اناالحق" کہا تھا تو اس نے اللہ کو مٹا کر کہا تھا اور منصور نے جب "اناالحق" کہا تو اپنے آپ کو مٹا کر کہا اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ ان ساری بیماریوں کو دور کرنے کی بنیاد اللہ کی محبت ہے اور مخلوق سے نگاہ کو ہٹا کر خالق کی طرف کر لینا ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ایک دیہاتی

حضرت شاہ اسماعیلؒ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں کئی گھنٹے تقریر

کرنے کے بعد واپس ہو رہے تھے تو ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ بڑی تیزی سے پسینہ میں شرابور مسجد کی سیڑھیاں چڑھتا چلا آرہا ہے۔ جب وہ اوپر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوگ تو جارہے ہیں تو اس کو بہت افسوس ہوا۔ اتفاق سے شاہ صاحبؒ ہی اس کے سامنے آگئے تو اس نے اپنی لاعلمی کی بناء پر پوچھا کہ کیا مولوی اسماعیل کا وعظ ختم ہو گیا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! ختم ہو گیا تو اس نے "اناللہ" کہا کہ میں تو بڑی دور سے اسماعیل کا وعظ سننے آیا تھا، گویا اس نے بڑی حسرت ظاہر کی تو شاہ صاحبؒ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ تمھیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا ہی نام اسماعیل ہے، بیٹھ جاؤ! میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میں تم کو دوبارہ سنائے دیتا ہوں، اور انھی سیڑھیوں میں بیٹھ کر وہ سارا وعظ اس اکیلے آدمی کو سنا دیا۔ بعد میں کسی نے کہا کہ حضرت! آپ نے بھی کمال کر دیا کہ ایک آدمی کی خاطر گھنٹوں کا وعظ دوبارہ سنا دیا؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ میں نے یہ پہلے بھی ایک ہی کے لیے کہا تھا اور اب بھی ایک ہی کے لیے کہا ہے، مجھے مجمع اور اس کی پسند کی کوئی پرواہ نہیں، میرا مقصد تو اللہ کو راضی کرنا ہے۔

سہاگن وہ جسے پیا چاہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ ہندی زبان کی ایک مثل مشہور ہے کہ "سہاگن وہ جسے پیا چاہے" تفصیل یہ بتائی کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی تو جیسا کہ شادی میں ہوتا ہے کہ عورتیں دلہن کا بناؤ سنگھار کرتی ہیں، ایسا ہی یہاں بھی ہو رہا تھا اور اس کی سہیلیاں اس سے مذاق کر رہی تھیں کہ آج تو تو

بہت خوب صورت لگ رہی ہے اور تیرا بناؤ سنگھار تو بہت ہی اچھا ہے اور طرح طرح سے اس کی تعریفیں کر رہی ہیں۔ لیکن وہ کسی کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتی اور خاموش بیٹھی ہے، تو کسی نے اس سے پوچھا کہ نہ تو نے ان کا شکریہ ادا کیا اور نہ ان کی تعریف پر خوشی کا اظہار کیا؟ تو اس نے کہا کہ بے شک یہ میری تعریف کر رہی ہیں لیکن یہ بتاؤ کہ مجھے ان کی تعریف سے کیا فائدہ ہوگا؟ بات تو جب بنے گی کہ جس کے لیے سنوارا جارہا ہے وہ تعریف کرے، تو میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو کچھ ہم دنیا میں کر رہے ہیں تو کسی کی تعریف سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ ایسا ہو گیا کہ وہ ہوا میں اڑ گیا، ہاں جس کے لیے کیا جارہا ہے وہ کہہ دے تب فائدہ ہے۔ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ عالم سے خفا میرے لیے ہے

اور اس کی طرف سے یہ خطاب آجائے کہ

﴿ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى
رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ
وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾ (پ ۳۰ سورۃ الفجر)

”اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا' پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی' پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں“۔ (ترجمہ از حضرت شیخ الہند)

خالق کی پسند کی فکر کرو

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ کبھی ہنستے نہیں تھے، مسکراہٹ تک چہرے پر نہیں آتی تھی۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا؟ تو فرمایا کہ کچھ پتہ نہیں، دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس بارگاہ میں میرا کوئی عمل قبول ہوگا یا نہیں اس لیے میں نہیں ہنستا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو فوراً ہی ان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو "یَاأَیَّتُهَا النَّفْسُ" والا خطاب مل گیا تھا۔ لہٰذا فکر اس بات کی ہونی چاہیے کہ جس کے لیے یہ کام کیا جارہا ہے اس کو پسند آجائے، خواہ مخلوق کو پسند آئے یا نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت پیدا ہو گئی تو انشاء اللہ ہر قسم کی بیماریوں سے حفاظت ہو جائے گی۔ اور محبت پیدا کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ محبت کرنے والوں کے پاس بیٹھو تو اس محبت کی آگ کی تھوڑی سی تپش تم پر بھی اثرانداز ہو جائے گی۔

اللہ کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت پیدا کرنے کا ایک کسبی طریقہ بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کی نعمتوں کا استحضار اور دھیان ہو کہ اللہ نے مجھ پر کیسی کیسی نعمتوں کی بارش برسائی ہے۔ اور حضرت فرماتے تھے کہ رات کو سونے سے پہلے اس کے بارے میں مراقبہ کر لیا کرو۔ مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ خالی الذھن

ہو کر دھیان کرو کہ اللہ نے کیا کیا نعمتیں عطا فرمائیں ہیں؟ اور دوسری طرف اپنی تقصیرات کا استحضار کرے کہ میں نے اللہ کی نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ صرف آنکھ ہی ایسی نعمت ہے کہ اگر ایک آنکھ خراب ہو جائے تو انسان لاکھوں روپے خرچ کر نے کو تیار ہو جاتا ہے اور اللہ نے مجھے مفت میں دے رکھی ہے، میں نے اس کا کیا حق ادا کیا؟ تو ایک طرف سے اللہ کی نعمتوں کا استحضار اور دوسری طرف سے اپنی تقصیرات کا دھیان کرو اور سوچو کہ اللہ کتنا بردبار ہے؟

اللہ بہت حلیم اور بردبار ہے

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک بے یارو مدگار آدمی پھر رہا تھا جس کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی اور سر چھپانے کی جگہ نہ تھی تم اس پر ترس کھا کر اس کو اپنے گھر لے آئے اور بھائیوں کی طرح رکھا اور کھانے کو روٹی، پینے کو پانی اور رہنے کو جگہ دی۔ لیکن پھر وہ تمھاری نافرمانی کرتا ہے اور چوری وغیرہ کے کاموں میں لگ جاتا ہے تو آخر تم کب تک برداشت کرو گے؟ ایک نہ ایک دن تو اسکو نکال ہی دو گے۔ لیکن اس مالک بے نیاز کا کرم دیکھو کہ دن رات اس کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہو لیکن وہ تم سے نعمتیں چھینتا نہیں ہے، اگر تم اس خیال کے ساتھ اپنی تقصیرات اور اللہ کی نعمتوں کا استحضار کرو گے تو اللہ کی محبت دل میں ضرور آئے گی۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چالیس دن کا چلہ کرو اور خیال کرو کہ جو منعم حقیقی ایسی عطا فرمانے والا ہے تو کیا وہ محبت

کے لائق نہیں ہے ؟ اس خیال سے اللہ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور جب اللہ کی محبت پیدا ہو جائے گی تو مخلوق کی طرف سے نگاہ ہٹ جائے گی بایں معنی کہ انسان مخلوق کی خاطر کام نہیں کرے گا بلکہ مخلوق سے معاملات اس خیال کے ساتھ کرے گا کہ یہ میرے مالک کی پیدا کردہ مخلوق ہے، میرے ذمے اس کے کچھ حقوق ہیں لہذا میں وہ حقوق ادا کر رہا ہوں لیکن وہ مخلوق سے اپنی تعریف نہیں چاہے گا۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ ریاء اور حب جاہ جیسی بیماریاں اللہ کی عظمت و محبت کی کمی سے پیدا ہوتی ہیں اور محبت میں اضافہ کا طریقہ یہ ہے کہ ہر روز اللہ کی نعمتوں کا استحضار کرو۔ بعض آنکھیں ناشکری ہوتی ہیں کہ محض مصیبتوں کو دیکھتی ہیں اللہ کی نعمتوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی اور ہم لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ کی نعمتوں کا پلڑا ہر آن بھاری رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ
اَلْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں
کر سکتے۔ انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے"

(پ ۱۳ سورۂ ابراہیم آیت نمبر ۳۴)

ان آیات میں ہمارے لیے سبق ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا

استحضار کرنا چاہیے، اگر اللہ کی نعمتوں کی طرف نگاہ ہو تو تکلیفیں تو ویسے ہی دور ہو جاتی ہیں۔

بزرگوں کی نگاہ نعمت کی طرف ہوتی ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے ایک استاذ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو میاں صاحبؒ کے نام سے مشہور تھے، ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں عیادت کو گیا تو دیکھا کہ تیز بخار میں تپ رہے تھے، میں نے سلام عرض کر کے حال دریافت کیا تو فوراً فرمایا کہ الحمد للہ میری آنکھ، کان، ناک، پیٹ اور معدہ میں کوئی تکلیف نہیں اور جتنی بیماریاں نہیں تھیں، سب بیان کر دیں اور فرمایا کہ بس ایک بخار ہے، وہ بھی انشاء اللہ ختم ہو جائے۔ گویا تو بیماری کی حالت میں بھی ان کی نگاہ نعمتوں کی طرف تھی۔

تکالیف کے مقابلے میں نعمتیں زیادہ ہیں

ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو درمیان میں یہ بات نکل آئی کہ جب بچوں کے دانت نکلتے ہیں تو مختلف قسم کی تکلیفیں ان کو ہوتی ہیں۔ تو گھر ہی کی ایک خاتون بھی بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے کہا کہ یہ دانت بھی عجیب چیز ہیں کہ آتے ہوئے بھی تکلیف دیتے ہیں اور جاتے ہوئے بھی! کیونکہ ان کے دانت ہل رہے تھے اور نکلنے والے ہو رہے تھے، تو والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی! تمھیں دانتوں کے متعلق صرف یہی دو باتیں یاد رہیں اور اپنی

پچاس، ساٹھ سالہ زندگی میں منوں بلکہ ٹنوں کے اعتبار سے غذا چبا کر اپنے پیٹ میں اتار گئیں وہ یاد نہیں رہی ؟ تو اللہ والوں کی نگاہ نعمتوں کی طرف اور ہم جیسوں کی نگاہ تکلیفوں کی طرف ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ یقین نہیں ہوتا کہ اگرچہ اس دنیا میں مظلوم ترین انسان ہے لیکن اگر فہرست بنا کر دیکھا جائے تو تکلیفوں کے مقابلے میں نعمتوں کا پلڑا ہزارہا گنا بھاری ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی تلقین فرمودہ دعا بھی پڑھتے رہا کرو جو کہ مناجات مقبول میں بھی ہے کہ

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ تَقَوَّیْتُ بِهَا عَلٰی مَعْصِیَتِكَ ﴾

"اے اللہ ! میں مغفرت مانگتا ہوں ان نعمتوں پر کہ جن سے مجھے آپ کی نافرمانیوں پر تقویت ملی"۔

الفاظ یاد نہ رہیں تو معنی بھی کافی ہیں اور ان باتوں کو صرف سننے کی حد تک نہیں رکھیں بلکہ عملی زندگی میں لائیں اور وقت نکال کر اللہ کی نعمتوں کے بارے میں مراقبہ کریں جس سے اللہ کی محبت پیدا ہوگی اور یہ تمام بیماریاں ختم ہو جائیں گی، یہ سو علاجوں کا ایک علاج ہے اس کے علاوہ جزوی علاج اور بھی ہیں لیکن بنیادی علاج یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عورت کی عظمت

موضوع : عورت کی عظمت
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : جامعہ خیر المدارس ملتان
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

بعد از خطبہ مسنونہ معزز حاضرین وحاضرات!

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی محنت اور اخلاص

یہ میرے لیے سعادت کا موقع ہے کہ آج اپنے ملک کی اس عظیم دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تعلیم النساء کی تقسیم اسناد کی تقریب میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جامعہ خیر المدارس کو ملک بھر میں دینی تعلیم کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز فرمایا ہے لیکن خاص طور سے اس ادارہ کو طالبات کی دینی تعلیمات کے میدان میں جو تقدم اور فضیلت حاصل ہے وہ سارے ملک میں کسی اور مدرسہ کو حاصل نہیں۔ چونکہ ہمارے محترم بزرگ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی

فراست ایمانی سے طالبات کی تعلیم کا احساس فرماتے ہوئے اس ملک میں سب سے پہلے طالبات کو عالمہ بنانے کا سلسلہ شروع فرمایا اور ان کے تمام مضمرات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بنفس نفیس طالبات کو پڑھانے کی خدمت انجام دی، انھی کے سوز دروں اور محنت کا نتیجہ ہے کہ آج الحمد للہ اس مدرسہ کے تعلیم بنات کے شعبہ میں تقریباً سات سو طالبات علم دین کا فیض حاصل کر رہی ہیں۔ اور یہ بھی انھی کی دعاء نیم شبی کا اثر معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے فرمایا ہے کہ امسال وفاق المدارس العربیہ کے درجہ عالمیہ کے سالانہ امتحان میں اول۔ دوم۔ سوم تینوں پوزیشنیں ماشاء اللہ اسی ادارہ کی طالبات نے حاصل کی ہیں۔ اس پر خود ان طالبات کو اور انکی معلمات کو اور ادارہ کے منتظمین و مہتمم صاحب کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس ادارہ کی خدمات کو مزید ترقیات سے نوازے اور ان کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

تربیت نسواں کی ضرورت

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ اس موقع پر کچھ گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں طلبہ کی دینی تعلیم کا انتظام کرنے والے مدارس کا تو ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ خیبر سے لے کر کراچی تک بڑے اور چھوٹے مدارس خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن طالبات کی تعلیم و تربیت کا انتظام ضرورت کے مقابلہ میں بہت کم ہے جب کہ عورتوں اور

بچیوں کی تعلیم وتربیت ہی قوموں کی زندگی میں انتہائی کلیدی مقام رکھتی ہے۔

درحقیقت یہ عورت ہی ہے جس کی گود میں قومیں پروان چڑھتی ہیں اور انکی آغوش میں بڑے بڑے لوگ پرورش پاتے ہیں۔لہذا اگر عورت تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوگی اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع ہوگی' اس کے دل میں خوف خدا اور آخرت کی فکر ہوگی اور اس کے اخلاق اسلامی تعلیمات سے مزین ہوں گے تو اسکی گود میں ایسی قوم پروان چڑھتی ہے جو آنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتی ہے۔اور اگر خدانہ کرے عورت ان اوصاف سے خالی ہو تو اسکی گود میں پلنے والی قوم کم از کم دینی اور اسلامی نقطہ نظر سے کوئی نمایاں کام انجام نہیں دے سکتی۔

ماؤں کا احسان

آج ساری امت کے سر اپنے ان عظیم محسنوں کے احسانات کے آگے جھکے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنی محنت و قربانیوں سے یہ دین کی امانت ہم تک پہنچائی ہے۔ان میں مفسرین بھی ہیں محدثین بھی ہیں فقہاء و متکلمین بھی ہیں اور مجاہدین و مبلغین بھی۔انھی کے احسانات کے نتیجہ میں ہم اور آپ اس سرزمین پر مسلمان کہلاتے ہیں اور کلمہ طیبہ "لا اله الا الله محمد رسول الله" پڑھنے والے ہیں۔ان کے تذکرے پڑھ کر انکی عظمت شان اور جلالت قدر کا سکہ دل میں بٹھاتے ہیں، لیکن بہت کم لوگوں کی نظر اس طرف جاتی ہے کہ یہ جلالت قدر اور عظمت شان جو ان بزرگوں کو حاصل ہوئی اس میں ان خاموش ماؤں کا کتنا بڑا

کردار ہے، جس کی گود میں ایک عظیم الشان جلیل القدر شخصیت نے پرورش پائی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو جتنا عظیم کام اس امت میں ان محسنوں نے انجام دیا ہے اس کا سہرا بکثرت ان ماؤں کے نامۂ اعمال میں ہوگا جنھوں نے ایسی اولاد کی پرورش کی۔

امام ربیعۃ الرائےؒ کی والدہ کا جذبہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے استاد حضرت ربیعۃ الرائےؒ جلیل القدر محدثین میں سے ہیں اور حضرت امام مالکؒ جیسے جلیل القدر امام کے استاد ہیں۔ انکے والد کا واقعہ تاریخ میں آتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور جب انکی نئی نئی شادی ہوئی تو نکاح کے کچھ ہی دنوں بعد اچانک ان کو جہاد کی ضرورت کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑ کر جانا پڑا۔ اور جہاد مدینہ منورہ کے قریب یا عرب ممالک میں نہیں تھا بلکہ ہزارہا میل کے فاصلہ پر تھا' اور ظاہر ہے کہ وہ زمانہ جہازوں اور ریلوں کا نہیں تھا لہٰذا طویل مسافت طے کر کے جہاد میں شامل ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جہاد میں شریک ہونے کے بعد ایک سے دوسری ضرورت نکلتی گئی اور اس جہاد میں گھر اور بیوی سے دور تقریباً پچیس سال تک مشغول رہے۔ پچیس سال بعد مدینہ منورہ واپسی ہوئی تو جس وقت وہ اپنے دروازے پر پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ ایک خوب صورت نوجوان دروازے سے نکل رہا ہے' ان کو خیال ہوا کہ میرے گھر میں یہ اجنبی نوجوان کون ہے جبکہ میں اپنی بیوی کو اکیلے چھوڑ کر گیا تھا۔ تو انھوں نے سخت لہجہ میں اس نوجوان سے پوچھا تم کون ہو اس کے جواب میں نوجوان نے بھی درشتی سے جواب دیا یہانتک کہ دونوں

میں تلخ کلامی ہو گئی اور آوازیں بلند ہونے لگیں تو گھر میں بیٹھی ہوئی خاتون کو احساس ہوا کہ دروازہ پر کچھ تلخ کلامی ہو رہی ہے چنانچہ قریب آ کر دیکھا کہ نوجوان اور نووارد میں گفتگو جاری تھی' انھوں نے آواز سے پہچانا کہ یہ نووارد میرے شوہر ہیں جو اتنے عرصہ پہلے مدینہ چھوڑ کر گئے تھے۔ اس خاتون نے اپنے شوہر کو بتایا کہ جس سے آپ تکرار کر رہے ہیں یہ آپ ہی کا بیٹا ہے' اب دونوں گلے ملے اور خوب روئے' پھر انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ جب میں گیا تھا تو تم کو تیس ہزار دینار دے کر گیا تھا تاکہ تم اپنے مصارف میں خرچ کرو کیا تمھارے لیے کافی ہو گئے تھے یا نہیں؟ بیوی نے کہا کہ اس کا حساب میں آپ کو بتاتی ہوں! اتنے میں نماز کا وقت قریب ہو گیا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قریب تھی تو اہلیہ نے کہا کہ آپ نماز پڑھ کر واپس آئیں میں آپ کو بتاؤں گی کہ میں نے تیس ہزار دینار کس مصرف میں خرچ کیے ہیں۔ یہ نماز پڑھنے گئے تو دیکھا نماز کے بعد بہت سے افراد ایک شخص کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو شخص درس حدیث دیا کرتا اس کے سر پر رومال ہوتا تھا جس سے چہرہ دور سے اچھی طرح نظر نہیں آتا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہے جس کے گرد طلبہ بیٹھے ہیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پڑھا رہا ہے اور لوگ اس سے سن رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں۔ اس نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ سنایا اور طلبہ نے لکھا۔ جب فارغ ہوئے تو قریب جا کر دیکھا کہ یہ پڑھانے والا ان کا اپنا بیٹا ہے، جس کو دیکھ کر انکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

یہ واپس گھر تشریف لائے اور اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے اس

کو اس مقام تک پہنچایا ہے کہ ساری دنیا کے لوگ آ کر اس سے علم دین حاصل کر رہے ہیں۔ تو بیوی نے کہا کہ آپ نے پوچھا تھا کہ آپ تیس ہزار دینار چھوڑ کر گئے تھے تو عرض ہے کہ آپ دو امانتیں چھوڑ کر گئے تھے، ایک بطن میں تھی، اور دوسرے تیس ہزار دینار تھے۔ تو میں نے ایک امانت کو دوسری امانت پر خرچ کر دیا اور اس کی اس طرح تربیت کی کہ آج مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا وسیع و عریض حلقہ درس ہے کہ ساری دنیا سے لوگ آ کر اس سے علم حدیث حاصل کرتے ہیں۔ اس نوجوان کا نام ربیعۃ الرائےؒ تھا اور ان ہی کے شاگرد امام مالک بن انسؒ ہیں۔ آج لوگ ربیعۃ الرائےؒ اور ان کے علم و فضل کے چرچے تو جانتے ہیں اور انکے فضائل و مناقب کا تذکرہ تو کتابوں میں موجود ہے لیکن جس ماں نے قربانیاں دے کر اور راتوں کو جاگ کر اپنے اوپر محنتیں جھیل کر اس کو تیار کیا اس کا تذکرہ جاننے والے بہت کم ہیں۔

خواتین کا کارنامہ

اگر دیکھا جائے کہ ربیعۃ الرائےؒ کے علم و عرفان سے امت کو جتنا فائدہ پہنچا ہے اس کا سہرا ان کی ماں کے سر ہے اور ان کے اعمال ان کی ماں کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ یہ وہ خواتین تھیں جنھوں نے ائمہ کرام کو پیدا کیا' ان کے تذکرہ میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کو کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا تاکہ یہ میرا جو بچہ دودھ پی رہا ہے اس کے اندر اعلیٰ درجے کے اخلاق پیدا ہوں۔ چنانچہ ان خواتین نے اساطین امت پیدا کیے ہیں' خود ان خواتین کی تعلیم و

تربیت بھی ایسے ماحول میں ہوئی تھی کہ وہ ایسی قوم پیدا کرنے کے لائق ہوئیں۔

بدائع الصنائع کی تالیف کیسے ہوئی؟

آپ نے سنا ہوگا فقہ حنفی کی ایک مشہور کتاب ہے جس کا نام بدائع الصنائع ہے، یہ فقہ حنفی کی بہت اونچے درجے کی کتاب سمجھی جاتی ہے' آج بھی کوئی مفتی اس سے مستغنی نہیں۔ اس کتاب کی تالیف اس طرح ہوئی کہ اس کے مؤلف جو ملک العلماء علامہ کاسانیؒ کے نام سے مشہور ہیں' بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے زمانہ میں ایک دوسرے فقیہ علامہ سمرقندیؒ نے ایک کتاب لکھی جس میں اسلامی احکام "طہارت" سے لے کر "میراث" تک تمام مسائل جمع کردیے۔ انکی صاحبزادی جن کا نام فاطمہ تھا وہ بھی بہت بڑی فقیہ تھیں، تاریخ میں آتا ہے کہ وہ اپنے حسن و جمال میں یکتا تھیں اور ان کے رشتے بڑے بڑے امراء کی طرف سے آتے تھے۔ علامہ سمرقندیؒ نے یہ طے کیا کہ میں نے جو فقہ کی کتاب لکھی ہے اس کی جو بہترین شرح لکھے گا اس سے اس کا نکاح کرونگا۔ چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے ان کی کتاب کی شرح لکھنی شروع کی جو "بدائع الصنائع" کے نام سے مشہور ہے۔ جب علامہ سمرقندی نے یہ شرح دیکھی تو فرمایا کہ مجھے اس سے بہتر رشتہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح علامہ کاسانیؒ سے کردیا۔ اب جب علامہ کاسانیؒ سے نکاح ہوگیا تو علامہ سمرقندیؒ خود فقیہ، بیٹی فقیہ اور داماد بھی فقیہ یہاں تک کہ جب کوئی فتوی آتا تو تینوں کے دستخط سے فتوی جایا کرتا تھا۔

علم دین کی برکت

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے زوجین کے درمیان اتنی محبت و تعلق قائم فرمایا کہ وہ ایک مثالی تعلق تھا، یہاں تک کہ انتقال بھی دونوں کا قریب قریب ہوا اور جب انتقال ہوا تو دونوں کی قبریں بھی ساتھ ساتھ تھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایسا نوازا کہ وہاں کے علماء میں یہ بات مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو یہ قبولیت عطا فرمائی ہے کہ ان کے مزار پر جاکر کوئی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں۔ آج علاؤالدین سمرقندیؒ کو اور علامہ کاسانیؒ کو تو لوگ جانتے ہیں لیکن فاطمہؒ کو جاننے والے کم ہیں۔ حالانکہ یہی فاطمہؒ تھیں جنھوں نے اتنی عظیم خدمات انجام دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام تک پہنچایا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور خدمت دین

ہمارے اسلاف کی آپ کو جتنی کھیپ نظر آتی ہے انکے پیچھے اگر دیکھیں تو آپ کو کسی نہ کسی خاتون کی محنت نظر آئے گی' ان کا علم و فضل نظر آئے گا اور انکی تعلیم و تربیت نظر آئے گی۔ اس کی ابتداء محسنہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہوئی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انکو یہ مقام بخشا کہ آج جتنا علم ہمارے پاس ہے اس کا آدھا علم حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور اُمت کی خواتین نے حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ کے اُسوہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، انکی گود میں پرورش پائی۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمارے مزاج میں اور معاشرے میں انحطاط

آنا شروع ہوا یہاں تک کہ قوموں کی زندگی میں انحطاط کا آغاز بھی عورت سے ہوا۔

آزادیٔ نسواں کا دھوکہ

جیسا کہ مولانا محمد حنیف صاحب فرما رہے تھے کہ آج اس بات کا بڑا زور شور ہے کہ عورتوں کو باہر نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ کاموں میں حصہ لینا چاہیے اور عورتوں کو زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھنا چاہیے اور یہ نعرہ بکثرت لگایا جاتا ہے کہ جناب عورتوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر بند کر دیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے نصف آبادی بے کار ہو کر رہ گئی ہے' اگر اس نصف آبادی کو کام میں لگایا جاتا تو پیداوار بڑھتی اور معاشی خوشحالی پیدا ہوتی، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظر میں پیداوار کا اضافہ وہ ہے جو روپے پیسے کی شکل میں ہو، ان کے نزدیک قوموں کی تعلیم و تربیت اور قوموں کے اخلاق کی درستی اور اس کا تزکیہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

گورباچوف کا اعتراف

آج سے کچھ عرصہ قبل آپ نے ضرور سنا ہو گا کہ سوویت یونین آنجہانی جس کا اب روئے زمین پر کوئی وجود باقی نہیں رہا اس کے آخری تاجدار صدر گورباچوف نے اپنے زوال سے تقریباً تین سال پہلے ایک کتاب لکھی اور وہ کتاب دنیا بھر میں بہت مشہور ہوئی جس کا نام "پروسٹرائیکا" ہے' انھوں نے ایک اصطلاح

مقرر کی تھی جس کا معنی ہے "تعمیر نو" اور دعویٰ یہ تھا کہ میں اپنے ملک کی از سر نو تعمیر کرونگا۔اُس میں عورت کے معاشرتی کردار کے بارے میں تقریباً ڈیڑھ صفحہ ہے اور اس میں لکھا ہے کہ

"چند صدیوں سے یورپ میں یہ نعرہ لگایا گیا ہے کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے اور عورتوں کی جسمانی قوت کو پیداوار کے اضافہ میں استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے نتیجہ میں ہم عورتوں کو دفتروں اور بازاروں میں کھیتوں اور دکانوں پر لے آئے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بے شک ہماری پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا ہے لیکن اس پیداوار میں اضافہ کیساتھ ساتھ اس میں نقصان اتنا بڑا ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ نقصان یہ ہے کہ ہمارا خاندانی نظام تباہ ہو گیا۔اس لیے کہ عورت جب تک گھر میں تھی اس نے ہمارے فیملی سسٹم اور خاندانی نظام کو سنبھالا ہوا تھا۔ میرے تعمیر نو پروگرام میں ایک پروگرام یہ بھی ہے کہ میں ایسا طریقہ سوچوں کہ عورت کو گھر کس طرح لایا جائے"

خاندانی نظام کی تباہی

جو لوگ یورپ اور امریکہ دیکھ کر آئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صبح کے بعد گھر کو تالا لگ جاتا ہے' شوہر اپنی ملازمت میں مشغول ہوتا ہے اسے اپنی بیوی کا پتہ نہیں، بیوی کو شوہر کا پتہ نہیں، بیٹے کو باپ کا اور باپ کو بیٹے کا پتہ نہیں اس طرح کی زندگی بنالی کہ خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ کبھی نہیں سوچا کہ بچے کو بڑے فعال ادارے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ماں کی گود کی ضرورت ہوتی ہے اور اس

کے نتیجہ میں ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو گیا ہے۔ اگر موازنہ کیا جائے کہ جتنی پیداوار انھوں نے عورت کو باہر نکال کر حاصل کی ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ کھویا یعنی خاندانی نظام، یہ اس کے مقابلے میں بہت بڑا نقصان ہے۔

آزادی کا نعرہ عزت یا ذلت ؟

آج کل کی عورت اس دھوکہ میں ہے کہ باہر نکل کر میرا اعزاز بڑھ گیا ہے میری عزت بڑھ گئی ہے میری شہرت میں اضافہ ہو گیا ہے' اور اس کو یہی سُوجھایا گیا اور دھوکہ دے کر باہر نکالا گیا اور اب وہ باہر سے اندر آنے میں تذبذب کا شکار ہے۔ دھوکہ یہ دیا گیا ہے کہ تم باہر نکلو اور مرد جتنے اعزازات حاصل کر رہے ہیں یہ سب تم حاصل کرو! تم بھی سربراہ حکومت ہو! تم بھی بڑے 'بڑے کام کرو جیسے کہ دوسرے مرد کر رہے ہیں۔ لیکن اُٹھا کر دیکھ لیں کہ ان کروڑوں خواتین میں جن کو باہر لایا گیا تھا کتنی خواتین صدر بنیں اور کتنی وزیراعظم بنیں ۔ انگلیوں پر گنی جانے والی ہیں اور باقی ساری عورتوں کو سڑکوں پر گھسیٹ دیا گیا۔

کیا عزت اسی کا نام ہے ؟

آج جا کر دیکھیں مغربی ممالک میں دنیا کی سب سے نیچ اور ذلیل قوم عورت کی ذات ہے، بازاروں اور ہوٹلوں میں جتنے کام ہیں وہ عورت کرے گی جتنے گھٹیا سے گھٹیا کام ہیں وہ سب عورت کرے گی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ

عجیب تماشا ہے کہ ایک عورت اگر اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے خاوند کا اور اپنے بچوں کا انتظام کرتی ہے' اس کے لیے کھانا پکاتی اس کے لیے رہائش کا بہتر بندوبست کرتی ہے تو وہ دقیانوسی رجعت پسند اور بنیاد پرست کہلاتی ہے۔ اور اگر وہی عورت جہاز کے اندر ائر ہوسٹس بن کر چار سو مردوں کو کھانا سپلائی کرے اور ان کے سامنے ٹرے سجا کر لے جائے اور انکی ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بنے تو یہ عزت اور اعزاز ہے۔

ے جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا نام جنوں

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

عرض یہ کر رہا تھا کہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی وجہ سے فیملی سسٹم تباہ ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کا نظام بھی ختم ہو گیا۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے عقل دی ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے۔

کیا اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں ؟

ایک تازہ واقعہ آپ کو سنا دوں' ابھی حال میں سنگاپور کے اندر ایک امریکی نوجوان لڑکا تقریباً ۱۸-۱۷ سال کا کسی جرم میں پکڑا گیا۔ اب سنگاپور کے قوانین میں اس کو سزا یہ ہوئی کہ بر سر بازار تیں کوڑے لگائے گئے، سنگاپور کے قوانین میں کوڑے لگانے کا حکم داخل قانون ہے' یہ اہل مغرب ہی ہیں کہ اسلام پر اعتراض کرتے نہیں تھکتے مگر سنگاپور میں کوڑے لگانے کا طریقہ یہ ہے آدمی کو باندھ کر کپڑے اتار کر اس طرح کوڑے لگائے جاتے ہیں کہ ایک

کوڑے پر کھال اتر جاتی ہے۔ امریکہ میں شور برپا ہو گیا کہ امریکہ کے مہذب لڑکے کو سنگاپور میں کوڑوں کی سزا دی جارہی ہے۔ یہ سزا وحشیانہ ہے لہذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ اسی احتجاج کے دوران وہاں سے ایک ہفت روزہ "نیوزویک" نکلتا ہے، اس ہفت روزہ والوں نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے سروے کیا اور لوگوں کے پاس اس بات کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجے کہ آیا نوجوان لڑکے کوڑوں کی سزا کے بڑے خلاف ہیں انکے نزدیک جسمانی سزا دینا اچھی بات نہیں، ابھی دو ہفتہ پہلے اسی ہفت روزہ "نیوزویک" میں اس سروے کی رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ہم بڑے بڑے شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کے پاس گئے ہیں ان میں ۵۶ فیصد افراد نے یہ رائے دی ہے کہ جسمانی سزا ضرور دینی چاہیے۔ وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے نظام میں ایسے نوجوان پیدا ہو رہے ہیں جو انسانیت کے جامے سے نکلے جارہے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان کو سزائیں دے دے کر کھالیں ادھیڑ ادھیڑ کر واپس لایا جائے۔ دوسرے ۴۴ فیصد لوگوں نے یہ رائے دی کہ جسمانی سزا تو نہیں دینی چاہیے لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ لڑکے کیوں خراب ہو رہے ہیں؟ انھوں نے یہ کہا کہ لڑکے دراصل اس لیے خراب ہو رہے ہیں کہ ہمارا خاندانی نظام تباہ و برباد ہو گیا ہے اور ہمارے ہاں گھر کے اندر تعلیم و تربیت کا صحیح نظام باقی نہیں رہا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لڑکے پیدا ہوئے وہ چور اُچکے اور جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں خراب قسم کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ لہذا پہلا کام یہ ہے کہ اپنا فیملی سسٹم درست کریں۔

عورت قوم کا سنگ بنیاد ہے

یہ فیملی سسٹم جس کے بارے میں آج بڑا چرچا ہے اس کے متعلق قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے ایک جملہ ارشاد فرمایا :

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾

"اے خواتین تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو" (سورہ احزاب آیت ۳۳)

اس وجہ سے بھی کہ تمھارے ذمہ پردہ ہے اور اس وجہ سے بھی کہ تم اپنے خاندانی نظام کے لیے سنگ بنیاد ہو' اگر یہ سنگ بنیاد ختم ہو گیا تو یہ نظام تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پورے خاندانی نظام کی بنیاد اس عورت کو بنایا ہے۔ بشرطیکہ وہ عورت' عورت ہو وہ اپنے مقام کو سمجھتی ہو کہ میرا یہ مقام ہے کہ میں اپنی گود میں قوموں کی پرورش کروں۔ میری آغوش میں ایسے مجاہد اور ایسے عالم پیدا ہوں جو قوموں کی تعمیر کر سکیں' وہ قوم کی عمارت کا سنگ بنیاد ہے جو اسکی تربیت کے بغیر سدھر نہیں سکتی۔

عورت کی تربیت بہت ضروری ہے

عورت اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرے کہ وہ اپنی گود میں بچوں کو اخلاق سکھائے اور نبی کریم صلی اللہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے تعلیم دے۔ یہ اسوقت ممکن ہے جب اس خاتون کے پاس علم ہو۔ اگر اس خاتون کے پاس علم

نہیں اور وہ اپنے فرائض کو نہیں سمجھتی' اور دین کے احکام سے بالکل ناواقف ہے تو اس کی گود میں جو بچے پروان چڑھیں گے وہ جھوٹے اور وعدہ خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ بددیانت اور چور ڈاکو ہوں گے۔ اس لیے ماں کو تعلیم و تربیت دینے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ اپنا فریضہ انجام دے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے میں اس کی طرف توجہ بہت کم ہے اور لوگ صرف مردوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہیں اور خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ میں انحطاط ہے، جس کا نتیجہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچے پیدا ہوتے ہیں اور ان کو ماں کی گود سے ہی بداخلاقی کا درس ملتا ہے اور باہر جاکر آوارا ہو کر قوم کے لیے مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔

حسن تربیت کا ایک نمونہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرتبہ ایک خاتون نے بچے کو اپنی طرف بلانے کے لیے کوئی وعدہ کیا کہ آؤ میں تمھیں فلاں چیز دوں گی' یہ دیکھ کر وہ بچہ آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا کہ تم نے جو اس بچے کو بلانے کے وقت کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے کیا کچھ دینے کا ارادہ تھا یا ویسے ہی بہلانے کے لیے کہا تھا۔ اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو کھجور دینے کا ارادہ رکھتی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمھارا اس کو کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا تو تمھیں جھوٹ بولنے کا بھی گناہ ہوتا اور وعدہ خلافی کرنے کا بھی اور یہ دوگنا گناہ ہے۔

بچے کا ذہن کورا کاغذ ہے

یاد رکھیں! ماں کی گود میں جو بچہ ہوتا ہے اس کا ذہن سادہ ہوتا ہے جو نقش چاہو اس میں ڈال دو۔ اگر آپ نے جھوٹ و وعدہ خلافی کا نقش یا خیانت و بددیانتی کا نقش ڈالا تو وہی پختہ ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ چاہیں تو اچھے اخلاق و آداب کا نقش ذہن نشین کرا دیں۔ لہٰذا ماں کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو صحیح دین کے مطابق تعلیم دے اور ان کی بہترین تربیت کرے۔

ماں کی گود پہلا مدرسہ ہے

غرض ماں قوم کی تعمیر میں جو بنیادی کردار ادا کرتی ہے وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں، یہ اس وقت ہے جب ماں کی بھی صحیح تعلیم و تربیت ہو۔ اس لیے ایسے اداروں اور ایسی درسگاہوں کی بڑی شدید ضرورت ہے جن میں خواتین کو تعلیم و تربیت دی جائے۔ اس معاملہ میں یہ ادارہ جو خدمات سرانجام دے رہا ہے وہ باعث لائق صد تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس میں مزید ترقیات سے نوازے۔ آمین۔ اس میں جو بہت بڑا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ عام مسلمانوں پر ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک ادارہ قائم کر دیا گیا ہے لہٰذا تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، اپنی بچیوں اور گھر کی خواتین کو اس ادارہ میں فیض حاصل کرنے کے لے بھیجیں تاکہ وہ یہاں سے اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو کر جائیں اور قوم کی تعمیر کر سکیں۔ اگر یہ احساس ہمارے دل میں پیدا ہو کہ اپنی بچیوں کو دینی سانچے میں

ڈھالیں تو ہم ایک اچھا اور نیک معاشرہ قائم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس قسم کے اداروں کو مزید ترقی نصیب فرمائے اور خاص طور پر اس ادارہ خیر المدارس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور یہاں کے کارکنوں اور اساتذہ کرام کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور اس نظام کو آگے بڑھانے کی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے۔ آمین!

﴿واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين﴾

دین کیا ہے

موضوع : دین کیا ہے؟
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : سٹاف کلب، فوجی فرٹیلائیزر کمپنی، کراچی
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انار کلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

﴿دین کیا ہے ؟﴾

بعد از خطبہ مسنون

امّا بعدُ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرَّجیم

بسمِ اللہ الرّحمٰن االرَّحِیم

﴿اِنَّ الدّ ینَ عِنْدَ اللّٰہِ الاِسْلاَمُ﴾

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹)

جناب صدر اور معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دین کا مطلب سمجھنے کی ضرورت

"دین کی حقیقت" کہنے کو اگرچہ چند لفظوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر ہم اس کی تشریح کرنا چاہیں تو ایک طویل موضوع بن جائے گا۔ اور وہ اس طرح کہ پھر اس

میں دین کے تمام گوشے آجائیں گے۔ لیکن میں اس وقت ایک بنیادی نکتہ کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آج کی فضا میں جب دین کا نام لیا جاتا ہے تو عام طور سے اس کو دنیا کا حریف اور مد مقابل سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی طرف سے یہ پکار بلند ہوتی ہے کہ دین کی طرف آؤ تو اس کا مطلب بسا اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا کو بالکل چھوڑ دو اور ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اگر ہم دین کی طرف آ گئے تو ہمیں اپنی دنیا کی ضروریات، تقاضے، خواہشات اور دنیا میں رہنے سہنے کے معروف طریقے چھوڑنے پڑیں گے ورنہ ہم دین کی برکات حاصل نہیں کر سکتے۔ گویا دین و دنیا کو اس طرح ایک دوسرے کا حریف سمجھا جاتا ہے کہ دونوں جمع ہی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے میں اس محفل میں یہ بات مختصراً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس دین کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ کس معنی میں دنیا کا مد مقابل ہے اور کس معنی میں دنیا کا مد مقابل نہیں؟

دین کے لیے ہی انسان کو پیدا کیا گیا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ جس شخص کو بھی اللہ جل شانہ کی ذات پر ایمان ہے یعنی وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ کائنات کسی بنانے والے نے بنائی ہے، یہ چاند، سورج اور ستارے وجود میں لانے والا اور انسان کو پیدا کرنے والا کوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے اس بنانے اور بنا کر بھیجنے کا بھی تو کوئی مقصد ہو گا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی ضرور ہو گا۔ کیونکہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو بغیر کسی مقصد کے پیدا کر دے اور انسان کو ہدایت کی روشنی سے

محروم کر کے اندھیرے میں چھوڑ دے۔ حاصل یہ کہ جس شخص کو بھی اللہ جل شانہ کے وجود کا یقین ہے اس کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے انسان کو ہدایت اور دنیا میں رہنے سہنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔

دنیا میں دو قسم کے معاملات

اس کو دوسرے عنوان سے یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ عالم الغیب بھی ہے اور حکیم مطلق بھی، اس لیے وہ جانتا تھا کہ انسان نے اس کائنات میں پہنچنے کے بعد وہ بعض چیزوں کو تو اطمینان سے سمجھ کر کسی بیرونی رہنمائی کے بغیر، ان کا اعتراف کر کے ان پر عمل کر سکے گا۔ لیکن ساتھ ساتھ اللہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر انسان کو کسی بیرونی رہنمائی کے بغیر چھوڑ دیا گیا تو کچھ معاملات ایسے بھی ہیں کہ جس میں انسان کی عقل ٹھوکر کھائے گی، جس کی وجہ سے انسان کے بھٹکنے کا اندیشہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس اندیشے سے بچاؤ کے لیے انسان کو احکامات کا ایک ایسا مجموعہ عطا فرمادیا کہ جس کی وجہ سے انسان اچھے اور برے کی پہچان کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت کا خلاصہ

جس جگہ عقل کو کسی بیرونی رہنمائی کی ضرورت نہیں اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر ایک طرف گندگی پڑی ہوئی ہو اور دوسری طرف صفائی ستھرائی ہو تو

جس انسان کے اندر انسانیت کا ذرا سا بھی شائبہ ہے وہ کبھی بھی گندگی کو پسند نہیں کرے گا بلکہ ہمیشہ صفائی کو پسند کرے گا۔ معلوم ہوا کہ ایسی چیزوں میں احکام کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ عقل اس بات کا صحیح فیصلہ کر دیتی ہے کہ گندگی کے مقابلے میں صفائی زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی طرح لذیذ اور بدمزہ، میٹھی اور کڑوی چیزوں کے بارے میں کسی بیرونی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جن چیزوں میں انسان کی عقل دھوکہ دے سکتی تھی وہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعے ہدایت کا سامان مہیا کیا اور بتایا کہ یہ چیز اچھی ہے اور یہ بری ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہدایت کا خلاصہ ہے۔

حقیقی دین کونسا ہے

جب گذشتہ کی ہوئی بات سمجھ میں آ گئی تو اب یہ سمجھیے کہ دین کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ شروع میں تلاوت کردہ آیت میں ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَامُ﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے" (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹)

یعنی وہ حقیقی دین جو اللہ نے بندوں کے لیے چنا اور پسند فرمایا ہے وہ اسلام ہے۔ اسلام کے مصداق کے متعلق تو الحمد للہ ہر مسلمان کو علم ہے کہ اس کا مصداق توحید و رسالت، آخرت اور عقائد ہیں۔

اسلام کا معنی کیا ہے؟

لیکن جس چیز کی طرف میں آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام کا لفظی معنی ہے "سر جھکا دینا" اور "تابع بن جانا" یعنی جس شخص کا تابع ہوا ہے اس کے ہر قول پر سر تسلیم خم کر دینا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی
السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾

"اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ
پورے کے پورے" (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۰۸)

یہاں اس بات میں غور یہ کرنا ہے کہ ایک طرف تو اس آیت میں خطاب ہی ان لوگوں سے ہے جو ایمان لا چکے ہیں، اور دوسری طرف یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ کلمۂ توحید جس سے انسان کا ایمان لانا ثابت ہوتا ہے اس کو پڑھ لینا ہی کافی نہیں اور صرف اس پر ہی ایمان مکمل نہیں ہوتا بلکہ ایک اور کام ہے جس کو سر انجام دینے سے انسان اسلام میں داخل ہو سکے گا، اور وہ کام یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے اس طرح سر جھکا دے کہ اس کے آگے کسی طرح کی چوں چرا کی گنجائش نہ رہے۔

اسلام کی حقیقت یہ ہے

اور میں اس موقع پر یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ "سورہ صٰفّٰت" میں جہاں

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے وہاں اسلام کا لفظ لایا گیا ہے۔ مختصراً اس واقعہ کو عرض کیے دیتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کو پورا کرنے اور بیٹے کو آزمانے کے لیے فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى﴾

(سورۃ الصفت آیت نمبر ۱۰۲)

اب اگر آپ غور کریں کہ ایک انسان کو قتل کرنا تو ویسے ہی گناہ کبیرہ ہے اور قرآن حکیم میں ارشاد بھی ہے۔

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾

"جو کوئی ایک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کرے یا زمین میں بغیر فساد کرنے کے قتل کرے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر ڈالا" (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۲)

اور قتل بھی نابالغ بچہ کا ہو تو وہ اور زیادہ گناہ کا باعث ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حالت جنگ میں بھی نابالغ بچے کے قتل سے روکا ہے۔

﴿نَهٰی رسول الله ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ
وَ الصِّبْيَانِ﴾

"رسول ﷺ نے حالت جنگ میں عورتوں
اور بچوں کو قتل سے منع فرمایا ہے"

(رواہ الترمذی عن ابن عمرؓ)

پھر اگر وہ نابالغ بچہ خود اپنا بیٹا ہو اور اس کو قتل کرنے کا حکم آجائے تو عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ نابالغ بیٹے کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن وہ بیٹا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا اور جس کی صلب سے جناب نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ تشریف لانے والے تھے، اس نے جواب دیا۔

﴿يَآبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾

"اے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو
کر گزریئے" (سورۃ الصفت آیت نمبر ۱۰۲)

اس تمام واقعہ کو نقل کرنے کے بعد قرآن اس قصے کو یوں پورا کرتا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ﴾

"جب باپ اور بیٹے نے سر تسلیم خم کر دیا اور
باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا"

(سورۃ الصفت آیت نمبر ۱۰۳)

تو یہاں جو لفظ اسلام لایا گیا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ حقیقت اسلام کی یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی

سے کوئی حکم آجائے تو انسان کے آگے سے "کیوں" کا سوال نہ کرے بلکہ اس پر سر تسلیم خم کر کے اس کے مطابق عمل کرے اس لیے کہ "کیوں" کا سوال بندگی کا نہیں بلکہ اعتراض کا ہے۔

احکام اسلام کے بارے میں ایک گمراہانہ طریقہ

جیسا کہ ہمارے یہاں جب بھی دین سے متعلق کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے تو اس میں ایک گمراہانہ طریقہ رائج ہے کہ ایسا حکم کیوں ہے ؟ اور بعض اوقات اس کے پیچھے یہ جذبہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بات ہماری سمجھ میں آگئی تو ہم اس کو مان کر اس پر عمل کریں گے ورنہ نہیں۔ یہ چیز اسلام کی روح کے خلاف ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مواقع پر حکم بھیجے ہیں جہاں انسانی عقل کے ٹھوکر کھانے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا اگر کسی حکم کی مصلحت سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

دین کے احکام میں تاویلات کی تلاش کا رویہ

اگر آپ مغربی فلسفے کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ایسا طبقہ بھی گذرا ہے جس کا دعویٰ ہی یہ ہے کہ اس کائنات میں خیر و شر یعنی اچھائی اور برائی سب اضافی چیزیں ہیں۔ لہٰذا جس ماحول میں جو چیز جس حیثیت سے رائج ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہ لوگ احکامات میں طرح طرح کی

تاویلات کرتے ہیں۔ مثلاً حکم شرعی ہے کہ خنزیر کا گوشت حرام ہے، اگرچہ طبی نقطہ نظر سے اس کی کچھ وجوہات ہماری سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن حقیقی وجہ اللہ ہی کے علم میں ہے، لیکن وہ خنزیر کے گوشت کے جواز کا دعویٰ کر کے اس کی دلیل یوں پیش کرتے ہیں کہ جس وقت خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا اس وقت عرب میں خنزیر گندی جگہوں پر پھرتے تھے اور نجاست کھاتے تھے جس کی وجہ سے ان سے بیماریاں پیدا ہوتی تھیں۔ لیکن آج کل خنزیروں کی تربیت بہت اچھے انداز میں ہو رہی ہے لہٰذا علت ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم بھی باقی نہ رہا۔ اور بات اتنی بڑھ چکی ہے کہ ایک صاحب تو مجھ سے اس بات پر بحث کرنے کو بھی تیار تھے اور کہتے تھے کہ علماء کو چاہیے کہ خنزیر کے حرام ہونے کے حکم کے بارے میں اجتہاد کریں کہ خنزیر فلاں وجہ سے حرام تھا اب چونکہ وہ وجہ ختم ہو گئی ہے اس لیے وہ حکم بھی ختم ہو گیا ہے اور خنزیر کا گوشت حلال ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ انسان نے اپنی عقل کو وہاں استعمال کیا جہاں انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ طرزِ عمل کہ احکامات دینیہ کے بارے میں حقیقی مصلحت کا سوال کرنا اور مصلحت کے سمجھنے پر عمل کو موقوف کرنا دین کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

حکمتِ دین کا سوال کرنا نامناسب ہے

اس بات کو میں ایک مثال سے سمجھایا کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں انسانوں کے دو درجے ہوتے ہیں جن میں سے ایک درجہ غلامی کا جو الحمد للہ

ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ ملازمت آگئی ہے، جو غلامی سے بہت کم درجہ کی نسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ غلامی میں غلام کو چوبیس گھنٹے کام کاج اور خدمت وغیرہ کے لیے موجود ہونا ضروری ہوتا تھا اور ان کی کوئی تنخواہ بھی مقرر نہیں ہوتی تھی۔ جبکہ ملازمت میں چوبیس گھنٹوں میں سے مخصوص وقت تک کام کاج کرنے پڑتے ہیں نیز ملازم کو تنخواہ بھی دی جاتی ہے۔

آپ کے گھر میں ایک ملازم ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ مجھے ۵ گڑوی دودھ لاکر دو! اور وہ ملازم کہے کہ آپ یہ دودھ کیوں منگوا رہے ہیں؟ اس کی وجہ بتائیں جب تک آپ مجھے اس کی وجہ نہ بتائیں گے میں آپ کو دودھ لاکر نہیں دوں گا۔ تو بتایئے کہ اس کے مقابلے میں آپ کا کیا ردعمل ہوگا؟ ظاہر ہے آپ اس سے ناراض ہوں گے حالانکہ وہ بھی آپ ہی کی طرح کا ایک انسان ہے۔ تو وہ اللہ جو خالق و مالک اور کائنات کی تمام چیزوں کا عالم ہے اس کے مقابلے میں تمھارا علم کیا حقیقت رکھتا ہے؟ لہٰذا بندے کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے کہ وہ کہے کہ پہلے مجھے اس کی حکمت بتاؤ پھر اس پر عمل کروں گا۔ اس بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُه اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ﴾

"جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
کوئی حکم آجائے تو مومن مرد و عورت کے
لیے اپنے کام میں کوئی اختیار نہیں رہتا"

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۲)

زاویہ نگاہ تبدیل کرنے سے دین حاصل ہو سکتا ہے

البتہ یہ بات سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے جو احکام دیے ہیں جن کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے وہ احکام انسان کی زندگی میں معدودے چند (گنتی کے چند) ہیں اور ان کے علاوہ زندگی کا سارا حصہ آزاد ہے۔ مثلاً کھانا پکانا اور معیشت کا انتظام وغیرہ بے شمار دائرے غیر معین ہیں۔

دین کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کے دیے ہوئے احکام کا پابند ہو جائے۔ خواہ وہ احکام اوامر ہوں یا نواہی اور باقی امور میں بھی اگر انسان ان کا پابند ہو جائے تو وہ بھی دین بن جائے گا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ دین اور دنیا ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مؤید اور مکمل (تکمیل کرنے والے) ہیں۔

یعنی دنیوی زندگی میں اگر ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لیا جائے تو یہی دنیا دین بن جاتی ہے۔ مثلاً کھانا تو ہر شخص کھاتا ہے لیکن اگر اس نقطۂ نظر سے کھانا کھایا جائے کہ یہ میرے اللہ کی عطا ہے اور اس کی ایسی نعمت ہے جو میں نے حلال طریقے سے کمائی ہے اور میں اس کو اس لیے کھا رہا ہوں تاکہ جو حق اللہ نے میرے نفس کا مجھ پر عائد کیا ہے میں اس حق کو ادا کر دوں، تو یہ بھی دین بن جائے گا۔ جیسے آپ نے وہ تصویریں تو دیکھی ہی ہوں گی جن کو ایک طرف دیکھنے سے ایک چیز اور دوسری طرف دیکھنے سے دوسری چیز نظر آتی ہے بالکل اسی طرح دین اور دنیا کا معاملہ ہے۔

دین اور دنیا ایک دوسرے کے حریف نہیں

میں ایک پریکٹیکل بات عرض کرتا ہوں کہ صبح اٹھنے کے بعد انسان یہ تہیہ کرلے کہ میں آج کے دن جو بھی کام کروں گا وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دوں گا اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے عائد کیے ہوئے حقوق کی ادائیگی کے لیے کروں گا۔ بس اگر آپ اپنی ڈیوٹی پر جارہے ہیں تو اس تہیہ کے ذریعے آپ کا سارا دن دین بن جائے گا۔ اگر آپ بیوی بچوں کے ساتھ اسی نیت سے خوش طبعی کر رہے ہیں تو یہ بھی دین ہے۔ اور اس میں صرف ایک شرط ہے کہ وہ کام ناجائز یا حرام طریقے کے حصول کے لیے نہ کر رہا ہو تو یہی عمل آخرت میں اس کے دخول جنت کا سبب بن جائے گا۔ حاصل یہ کہ دین اور دنیا ایک دوسرے کے حریف نہیں ہیں۔

امام شیبانیؒ سے ایک سوال

اسی طرح معیشت کو انجام دینے کے جو طریقے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں مثلاً زراعت، ملازمت، صنعت اور تجارت غرضیکہ تمام کام نیت کی تقدیر پر دین بن جاتے ہیں۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے کتابیں تو بہت تصنیف کی ہیں لیکن تصوف اور روحانیت کی موضوع پر آپ نے کوئی کتاب نہیں لکھی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے انسان کی معیشت کے بارے میں جو کتاب لکھی ہے وہ تصوف ہی تو ہے۔ اس لیے کہ میں نے اس میں لکھا ہے کہ

معیشت حاصل کرنے کے جو بھی طریقے ہیں ان کو انسان اللہ کی رضامندی کے لیے استعمال کرے تو یہی چیزیں انسان کے لیے دین اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور در حقیقت یہ بھی تصوف ہی کی بات ہے۔

انسان کا ہر لمحہ دین بن سکتا ہے

انسان کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس کو وہ دین نہ بنا سکے۔ صرف اور صرف اخلاص نیت سے انسان اپنی دنیا کو دین بنا سکتا ہے بشرطیکہ احکام الٰہیہ کے مطابق ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اتنا کام اور کرے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچنے کا اہتمام کرے تو ساری دنیا دین بن جائے گی۔

رہی یہ بات کہ آپ کو حلال اور حرام چیزوں کے بارے میں علم کیسے ہو تو اس کے لیے اگر آپ روزانہ پانچ منٹ بھی نکالیں تو آہستہ آہستہ آپ کو یہ ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ اور ایک دوسرا کام یہ ہے کہ آپ حضرات اپنے اپنے گھروں میں چوبیس گھنٹوں میں سے صرف دس منٹ نکال کر سب گھر والوں کو جمع کر کے کوئی ایسی کتاب پڑھ کر سنا دیا کریں جس میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت، حلال و حرام اور فرائض و واجبات کی نشاندہی کی گئی ہو۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اس پر عمل کی توفیق کی دعا مانگ لیا کریں تو دنیا بھی آپ کی دین بن جائے گی۔

اس کے لیے میں آپ کے سامنے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس اللہ سرہ کی کتاب اسوہ رسول اکرم ﷺ کی تجویز پیش کرتا ہوں جو حضور ﷺ کی سیرت اور آپ کی سنتوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطاء فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فلسفۂ حج و قربانی

موضوع : فلسفہ حج و قربانی

بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

مقام : جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

باہتمام : محمد ناظم اشرف

ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔

فون ۷۳۵۲۴۸۳

﴿فلسفہ حج و قربانی﴾

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَالْفَجْرِ ٥ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ٥ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ٥
وَاللَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ٥ هَلْ فِي ذَالِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ
حِجْرٍ ٥ ﴾ (سورۃ الفجر آیت نمبر ۱تا۵)

حضرات علمائے کرام، بزرگان محترم اور برادران عزیز!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ گزشتہ اجتماع میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اس مجلس کا اصل مقصد
یہ ہے کہ ہم لوگ بیٹھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیں اور مرنے کے بعد آنے والی

زندگی کی تیاری کے لیے اصلاح کی فکر کریں۔ نہ یہاں کوئی استاد ہے نہ شاگرد، نہ معلم ہے نہ متعلم، نہ مصلح ہے اور نہ زیر اصلاح، بلکہ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور ہم سب ایک ہی منزل کے بارے میں بیٹھ کر کچھ سوچ بچار کرنے والے ہیں اس کے لیے کیا تیاری کرنی چاہیے ؟ کیا کر سکتے ہیں اور کیا نہیں کر سکے ؟ باہمی مذاکرات کی برکت سے اللہ تعالیٰ دلوں میں فکر پیدا فرمادیتے ہیں، چنانچہ اسی فکر کے پیدا کرنے کے لیے یہ اجتماع منعقد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی برکات عطاء فرمائیں۔ (آمین)

ایک وقتی مطالبہ

اصلاح نفس اور آخرت کی تیاری کے لیے دین کے احکامات و تعلیمات بے شمار ہیں اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ مختلف موضوعات سامنے آتے رہیں گے۔ لیکن اس وقت خیال آیا کہ ایک وقتی مطالبہ ہے اسکے بارے میں کچھ گزارشات عرض کر دوں۔ وہ مطالبہ یہ ہے کہ ایک دو دن کے بعد ذی الحجہ کا مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو مختلف امتیازات بخشے ہیں جن سے متعلق اسکے کچھ احکامات و تعلیمات موجود ہیں تو خیال آیا کہ ان سے متعلق کچھ گزارشات پیش کر دی جائیں۔ کیونکہ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیی عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دین وقت کے تقاضے پر عمل کرنے کا نام ہے کہ اس وقت مجھ سے دین کا کیا تقاضا اور کیا مطالبہ ہے۔ آدمی اگر اسی وقتی تقاضے پر عمل کرے تو اسی کا نام دین ہے۔

لوگوں کی حالت اور اصلاح کا بہترین نسخہ

ایک بات یاد آئی کہ میرے دوسرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بڑے کام کی بات ارشاد فرمائی کہ لوگ اسی وجہ سے اصلاح نہیں کرپاتے کہ وہ یا تو ماضی کے غم میں یا مستقبل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں اور اسی غم و فکر کیوجہ سے حال کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لوگ اس غم میں رہتے ہیں کہ ہماری گزشتہ زندگی بڑی خراب اور مصیبتوں اور اللہ کی نافرمانی میں گذری اور مایوس ہو جاتے ہیں اور مستقبل کی فکر کہ آئندہ کیا ہوگا؟ اس کے تصور اور اندیشوں کو اپنی جان کا وظیفہ بنا لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حال یعنی موجودہ وقت میں کام کرنے بھول گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اصلاح کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر چھوڑ کر حال کی فکر کرو۔ ماضی میں جو کچھ ہوا۔ اسے بھول کر ایک مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں آکر عرض کر دو کہ اے اللہ! میں نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں انھیں معاف فرمادے۔ اور یہ دعا پڑھو!

﴿استغفر اللہ من کل ذنب و اتوب الیہ﴾

ماضی کا حساب تو اس طرح سے بےباق کرو اور مستقبل کی فکر میں پڑے بغیر حال کی فکر کرو کہ اس وقت دین کا تم سے کیا مطالبہ ہے، بس اسکی فکر کرلو تو تمھارا ماضی اور مستقبل دونوں درست ہو جائیں گے۔ جب تم حال کی فکر کرو گے تو یہ تمھارے لیے ماضی بن جائے گا اور مستقبل رفتہ رفتہ حال بنتا جائے گا۔ یہ ایسی عجیب و غریب بات ہے کہ جس کی برکت عمل کرتے وقت ظاہر ہوگی۔ لہذا ہمیں

چاہیے کہ حال کی فکر کریں۔ ماضی اور مستقبل کی فکر میں اسکو برباد نہ کریں۔ انشاء اللہ حال کی فکر سے ماضی اور مستقبل اپنے وقتی تقاضے کے مطابق حل ہوتے جائیں گے۔ اسی حوالے سے اس وقت ذی الحجہ کے وقتی مطالبہ کے تحت اس کے احکامات بیان کیے جائیں گے۔ اگرچہ باتیں وہی ہیں جو ہم سب نے سن رکھی ہیں اور ہمیں معلوم بھی ہیں لیکن سن لینا اور معلوم ہونا اور چیز ہے جبکہ عمل کرنا دوسری چیز ہے۔ بعض اوقات انسان کو کوئی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اسکی طرف عمل کے لحاظ سے توجہ نہیں جاتی۔ تو اس طرح اللہ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ یہ مذاکرہ کامیاب ہوگا۔

ذی الحجہ کے مہینے کی امتیازی خصوصیات اور عبادات

ذی الحجہ کے مہینے کی کچھ خصوصیات ہیں اور کچھ ایسی عبادتیں اس مہینے میں مقرر فرمائی گئیں ہیں جو سارے سال میں ادا نہیں کیجا سکتیں۔ جبکہ دوسری عبادتوں کا حال یہ ہے کہ وہ وقت مقررہ میں تو ادا کی ہی جائیں گی لیکن اگر وہ وقت مقررہ کے علاوہ نفلی طور پر ادا کی جائیں تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً فرض نماز کے پانچ اوقات مقرر ہیں لیکن اگر نفلی طور پر کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ زکوٰۃ سال بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن نفلی صدقہ عام دنوں میں بھی دیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی روزے ہیں کہ سال بھر میں صرف رمضان کے مہینے میں فرض ہیں لیکن رمضان کے علاوہ بھی نفلی روزے رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ذی الحجہ کے مہینے میں دو عبادتیں ایسی ہیں جو اس مہینے کے مخصوص ایام کے علاوہ کسی اور

دن میں ادا نہیں کی جاسکتیں۔ ایک تو حج کی عبادت اور دوسری قربانی کی عبادت۔

حج سے متعلق کچھ احکامات

چنانچہ حج ذی الحجہ کی متعین تاریخوں ہی میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ عرفات کا میدان تو آج بھی ویسے ہی اپنی آغوش کھولے ہوئے ہے اور منیٰ میں جمرات تو آج بھی موجود ہیں لیکن اگر آج کوئی شخص عرفات میں ایک نہیں بلکہ دو دن بھی وقوف کر لے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور اگر کوئی ۹ ذی الحجہ کو میدان عرفات میں پہنچ جائے یا دسویں ذی الحجہ کی رات کو پہنچ جائے تو اس کا حج ہو گیا اللہ کی رحمت کا سایہ اس میدان میں ایسا پھیلا ہوا ہے کہ شیطان پورے سال میں اس دن سے زیادہ کسی اور دن میں رسوا نہیں ہوتا۔ اور وقوف میں یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا دن وقوف کیا جائے بلکہ اگر کوئی شخص اس دن ایک منٹ کے لیے بھی پہنچ جائے تو اس کا حج ہو گیا حتیٰ کہ اگر کوئی سوتا ہوا بھی گذر جائے تو اس کا حج بھی ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہی عبادت سال کے دوسرے دنوں میں کی جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

قربانی کا حکم

اسی طرح قربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سال بھر میں تین دن مخصوص فرمائے ہیں۔ دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ۔ ان تین دنوں کے علاوہ اگر آپ قربانی کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کیونکہ

قربانی نام ہے کسی جانور کے گلے پر اللہ کی رضا کے لیے چھری پھیرنا۔ ادھر آپ نے جانور کے گلے پر چھری پھیری اور ادھر قربانی کا فریضہ ادا ہوا۔ لیکن اگر آپ آج قربانی کریں تو ایک نہیں، سو جانور بھی ذبح کر لیں تو وہ قربانی کی عبادت نہ ہو گی کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو ذی الحجہ کے مخصوص ایام کے علاوہ کبھی ادا ہی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اصل ثواب اللہ کے حکم اور سنت نبوی ﷺ میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی بھی عمل میں اپنی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ جو کچھ ہے وہ اللہ کے حکم اور ہمارے نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے۔ جب کسی بھی عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم پیوستہ ہو جائے تو وہ عمل عبادت بن جائے گا اور موجب اجر و ثواب بن جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے ہٹ جائے گا تو اب اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ عرفات کے میدان پر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور وہاں جا کر وقوف کرنے والوں کو جو ثواب ملتا ہے، وہ در حقیقت اس میدان کے ذرات، پہاڑیوں، صحرا کی ریت اور اُن پتھروں کیوجہ سے نہیں بلکہ جو کچھ بھی اجر و ثواب ہے وہ صرف اللہ کے حکم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو جانور کے گلے پر چھری پھیرنا اور قربانی کرنا موجب اجر و ثواب ہے تو آج یہ عمل اللہ کا محبوب بن گیا، ایسا محبوب کہ آج کے دن یعنی یوم النحر میں خون بہانے کے علاوہ کوئی کام اتنا محبوب ہی نہیں لیکن وہی قربانی عام دنوں میں کرتے تو اسکا کوئی نتیجہ نہیں۔ بتلانا در حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی عبادت میں اور کسی بھی کام میں اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں، تقدس اس وقت آتا ہے جب اللہ کا حکم ہو، گویا یہ ایک سبق ہے جس میں بدعت خرابی پیدا

کرتی ہے۔ بدعت اس کام کا نام ہے جو آپ از خود گھڑ کر عبادت بنالیں۔ اسکو نہ اللہ نے عبادت قرار دیا ہو نہ رسول اللہ ﷺ نے۔

منیٰ میں نماز کا حکم

جن حضرات کو حج پر جانے کا موقع ملا ہے وہ تو جانتے ہی ہیں اور جن کو حاضری کا موقع نہیں ملا، انھوں نے بھی شاید سنا ہو گا کہ حاجی حضرات ۸ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر منیٰ چلے جاتے ہیں اور منیٰ میں جانے کے بعد کوئی کام نہیں نہ رمی ہے اور نہ مناسک حج میں سے کوئی رُکن ادا کرنا ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ ظہر سے لیکر اگلی فجر سمیت پانچ نمازیں منیٰ میں ادا کرو۔ کتنی اچھی بات تھی کہ مکہ مکرمہ میں رہ رہے تھے اور نمازیں مسجد حرام میں پڑھ رہے تھے کہ جس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، لیکن حکم ہوا کہ مسجد حرام اور اسمیں نماز پڑھ کر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب حاصل کرنے کو چھوڑ کر منیٰ کی وادی میں مقیم ہو جاؤ جہاں صرف پانچ نمازیں پڑھنی ہیں۔ اس سے یہ سبق سکھانا مقصود ہے کہ کہیں تمھارے ذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ مسجد حرام کے پتھروں میں کچھ رکھا ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ ہمارے حکم اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر نہیں جا سکتا تو ایک لاکھ تو کجا، ایک نماز کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ خلاف سنت کام کر رہا ہے۔

حکم الٰہی کی اہمیت و عظمت

بعض ہندو یابت پرست اعتراض کرتے ہیں کہ آپ ہمیں تو پتھروں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہو گویا انکی عبادت کرتے ہو پھر ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے؟ تو اللہ جل شانہ نے ابتداء اسلام میں یہ نظارہ دکھادیا کہ اچانک حکم آ گیا کہ بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ۱۷ مہینے بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہتا تھا کہ قبلہ بیت اللہ ہو۔ اسکی حکمت اللہ تعالی نے دوسرے پارے میں بیان فرمائی:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ (سورة البقرة آيت نمبر ۱۴۲)

مقصد یہ ہے کہ بیت اللہ کے پتھروں میں کچھ نہیں رکھا ہاں مشرق اور مغرب میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے قبضے میں ہے۔

دیکھنا یہ مقصد تھا کہ:

﴿مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾

(پ ۲ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۳)

"کون پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے"

حضرت فاروق اعظمؓ کا حجر اسود کو خطاب

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے گئے تو بوسہ دینے سے پہلے حجر اسود سے خطاب کیا کہ اے حجر اسود میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ کوئی نفع پہنچانا تیرے قبضے میں ہے اور نہ کوئی نقصان پہنچانا تیرے بس میں ہے۔ لیکن اگر میں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہونے کیوجہ سے موجب اجر و ثواب ہے، تیری ذات میں کوئی تقدس نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ فرط محبت میں رکن یمانی کا بھی بوسہ لے لیتے ہیں۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ عمل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ تو جس کام کے لیے اللہ تعالی نے ان دو عبادتوں کو ان ایام کے ساتھ مخصوص کیا کہ ان ایام میں اگر وہ عبادتیں سر انجام دو گے تو ہمارے نزدیک مستحق اجر و ثواب ہو گے اور اگر اس سے ہٹ کر کرو گے تو اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہ خصوصیت اللہ نے صرف اسی مہینے کو عطا فرمائی ہے۔

ذی الحجہ کے مہینے کے احکامات

اسلام میں اس مہینے سے متعلق کچھ خصوصی احکام ہیں۔ سب سے پہلا حکم جو ذی الحجہ کا چاند دیکھتے ہی اہل اسلام کو دیا گیا وہ یہ ہے کہ جس شخص نے اس

مہینے میں قربانی کرنی ہو تو وہ نہ بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ بال کاٹے جائیں اور نہ ناخن۔ اس حکم کو بعض حضرات نے مستحب اور بعض نے واجب کہا ہے۔ بہر حال حکم ہے اس لیے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

بال اور ناخن نہ کاٹنے کی اہمیت

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اسمیں حکمت یہ ہے کہ چونکہ یہ وہ زمانہ ہے جسمیں چاروں طرف سے لوگ کھنچ کھنچ کر حج کرنے کے لیے بیت اللہ کی طرف جا رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بیت اللہ میں کوئی مقناطیس لگا ہوا ہے جو چاروں طرف سے لوگوں کو کھینچ رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا پوری ہو رہی ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم﴾

"اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا بنا دیجیے کہ لوگ مائل ہوں ان کی طرف" (پ ۱۳ آیت نمبر ۳۷)

لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو حج تو کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے وسائل مہیا نہیں یا کوئی اور مجبوری ہے۔ ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کو جو پیسے کی کمی کیوجہ سے حج نہیں کر سکے، کیا انکو حج کی برکت سے محروم فرما دیں گے؟ اللہ تعالی کی شان رحیمی سے یہ بہت بعید ہے کہ کسی آدمی کو صرف پیسے نہ ہونے کی وجہ سے محروم فرما دیں۔

چنانچہ اللہ تعالی نے ایک چھوٹا سا عمل بتلادیا کہ تمھیں حج کو جانے والوں کی تھوڑی سی مشابہت اختیار کرنی پڑے گی وہ یہ کہ جیسے حاجی حضرات بال اور ناخن نہیں کاٹتے تو تم بھی یہ مشابہت اختیار کرلو اور بال و ناخن نہ کاٹو! جب تم نے مشابہت پیدا کرلی تو اس طرح ان حاجیوں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا لہذا جب اللہ تعالیٰ عرفات کے میدان میں حاجیوں پر رحمت کی بارش برسائیں گے تو اسکا کوئی چھینٹا تم تک بھی ضرور پہنچے گا۔

تیرے محبوب کی یارب شباہت لیکر آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کردے میں صورت لیکر آیا ہوں

حضرت فرماتے ہیں کہ یہ جو کہا جارہا ہے کہ بال اور ناخن نہ کاٹو، درحقیقت کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ میں وہاں تک تو نہ پہنچ سکا لیکن جانے والوں کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت پیدا کرلی ہے تو کیا میں صرف اس وجہ سے محروم رہ جاؤں گا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں ؟ اللہ تعالی فرماتے ہیں نہیں! ہماری شان رحیمی تمھیں محروم نہیں کرسکتی جب تم نے مشابہت پیدا کرلی تو تم بھی اللہ کی رحمتوں میں ضرور شامل ہوگے۔

یوم عرفہ کا روزہ

عشرہ ذی الحجہ کے بارے میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ یکم ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک جو کہ رمضان المبارک کے بعد ایسا عشرہ ہے جس کی بہت زیادہ خصوصیات ہیں جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان دنوں میں ایک

روزہ رکھنا ایک سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت لیلتہ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ والترمذی)

شروع میں جو آیت میں نے تلاوت کی اسمیں اللہ تعالیٰ نے فجر کے وقت کی اور دس راتوں کی قسم کھائی ہے والفجر ولیال عشر اس بارے میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کو لیلتہ القدر کی عبادت کے برابر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اوقات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسکی برکات سے نوازیں۔ آمین

عشرہ ذی الحجہ کے بارے میں تیسرا حکم

تیسرا حکم عرفہ کے دن سے متعلق ہے۔ یوں تو ان دنوں میں روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا حامل ہے لیکن خاص طور پر عرفہ (۹ ذی الحجہ کے دن) کا روزہ رکھنا ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یوم عرفہ کو جو شخص روزہ رکھے گا مجھے امید ہے کہ اسکے ایک سال پچھلے اور ایک سال اگلے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (باب صیام یوم عرفہ ابن ماجہ)

تکبیر تشریق

ان ایام میں تیسرا حکم تکبیر تشریق ہے۔ جو یوم عرفہ کی نماز فجر سے

شروع ہو کر ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک جاری رہتی ہے۔ یہ تکبیر ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے۔

﴿الله اکبر، الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر، الله اکبر ولله الحمد﴾

مردوں کے لیے اسے درمیانی بلند آواز سے پڑھنا واجب اور آہستہ آواز سے پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

خواتین کے لیے تکبیر تشریق

یہ تکبیر تشریق خواتین پر بھی واجب ہے۔ البتہ اس بارے میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے اور خواتین کو یہ تکبیر یاد نہیں رہتی اور عموماً خواتین اس کو نہیں پڑھتیں۔ مگر یاد رکھیں! عورتوں پر بھی پانچ دنوں تک ہر نماز کے بعد یہ تکبیر کہنا واجب ہے لیکن خواتین کو آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے۔

قربانی اور مادہ پرستی

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ قربانی کے ایام تین ہیں اور یہ دس گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے مخصوص دنوں میں ہی ادا کی جا سکتی ہے۔

آج ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں کہ جہاں دین کے بنیادی ستونوں پر لوگ طعنہ زنی کر رہے ہیں اور انھی کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ

قربانی ایک بے فائدہ کام اور دولت کا ضیاع ہے (العیاذ باللہ) اور کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ محض اس قربانی کی وجہ سے قوم کا لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ پانی کی طرح نالیوں میں بہہ جاتا ہے۔ غرض لوگ اس صریح حکم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک تاجر صاحب تھے انھوں نے ہی مجھے بتایا کہ جو تاجر قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں انکو ہر طرف پیسہ ہی پیسہ ناچتا نظر آتا ہے۔ انھوں نے ایک واقعہ سنایا کہ ایک تاجر صاحب تھے جب انکے انتقال کا وقت آیا تو فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ بتلایئے آپکو جنت میں لیجائیں یا جہنم میں؟ انھوں نے کہا جہاں چار پیسے کا فائدہ ہو وہاں لے جاؤ۔ تو ایک ذہنیت یہ ہے کہ کام وہی ہے جسمیں چار پیسوں کا فائدہ ہو جو کہ مادہ پرستی کی پیدا کردہ ہے۔

فلسفہ قربانی

جبکہ نادان لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ کس کی یادگار ہے یہ یادگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ اور اس اعتراض کا جواب کہ پیسے ضائع ہو رہے ہیں، یہ ہے کہ قرآن نے خود قربانی کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کر دو اور انکو ذبح کر دو۔ اب اندازہ لگایئے کہ حکم یہ ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے:۔

﴿مَن يَقتُلْ مُؤمِنًا مُتعمِدًا فَجزاوهٗ

جَهَنَمُ خَالِدًا فِيهَا﴾

"جس کسی نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا" (پ ۵ سورۃ النساء آیت۔ نمبر ۹۳)

پھر اگر بچہ نابالغ ہو تو حالت جہاد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کے بچوں کو قتل نہ کرو اور کسی بچے کو حالت جنگ میں بھی قتل نہ کرو پھر وہ نابالغ بچہ ہو اور اسے قتل کیا جائے تو یہ انسانیت کے بالکل بر خلاف ہے چنانچہ عقل کی کسی بھی میزان پر اسکو پرکھ کر دیکھ لیں یہ کسی طرح بھی معقول نظر نہیں آتا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ لیکن جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو حکم ہوا تو انھوں نے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ اے اللہ جس بچے کو میں نے امنگوں اور مرادوں سے حاصل کیا ہے آخر اس کا قصور کیا ہے؟ اور اگر کوئی قصور کیا ہے تو اسکو مارنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ انھوں نے اللہ کے حکم کے آگے کچھ نہیں پوچھا کیونکہ وہاں پر سود و زیاں کا مسئلہ نہیں رہتا پھر تو یہ ہے کہ چاہے فائدہ ہو یا نقصان راحت ہو یا تکلیف، اس حکم پر عمل کرنا ہے۔ اور بیٹے سے بھی صرف یہی کہا

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ (پ ۲۳ سورہ الصٰفٰت آیت نمبر ۱۰۲)

"کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں (اور خواب کا حکم وحی کا حکم ہوتا ہے) تو بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے"

پلٹ کر بیٹے نے بھی نہیں پوچھا کہ اے ابا جان میرا قصور کیا ہے؟ کہ مجھ پر یہ ظلم کیا جا رہا ہے؟ وہ بیٹا بھی خلیل اللہ کا تھا اور جسکی نسل سے سرور کونین

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے چنانچہ جواب دیا۔

﴿ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (پ ۲۳ سورۃ الصفت آیت نمبر ۱۰۲)

"اے ابا جان جو آپکو حکم دیا جارہا ہے اسکو کر گذریئے آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے"

لوگوں کی اصلاح کا ایک نسخہ اور مشورہ

غور کریں کہ آج کل بکرے کی قیمت اکثر تین یا چار ہزار روپے ہوتی ہے بالفرض اگر کسی سے کہا جائے کہ چار ہزار روپے دیدو اور کسی سے کہا جائے کہ اپنے بیٹے کو قتل کر دو تو بتایئے کہ کونسا عمل زیادہ سخت ہے؟ چار ہزار روپے خرچ کرنے کا یا بیٹے کو قتل کرنے کا؟ ظاہر ہے کہ بیٹے کے آگے چار ہزار روپے خرچ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن جس کو بیٹا قتل کرنے کا حکم ملا اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ اسمیں میرا کیا نقصان ہے اور کیا فائدہ؟ اور جس کو قتل کرنے کے لیے کہا جارہا ہے اس نے بھی پلٹ کر نہیں پوچھا کہ مجھے کیوں قتل کیا جارہا ہے؟ لیکن جس سے کہا جاتا ہے کہ چار ہزار روپے خرچ کر دو وہ کہتا ہے کہ مجھے مالی طور پر کیا فائدہ ہوگا۔ یہ تو قربانی کی روح کے خلاف ہے۔ جو آدمی یہ سوال کرتا ہے وہ قربانی کی حقیقت ہی نہیں جانتا۔ اس قربانی کے ذریعے در حقیقت جذبہ یہی پیدا کرنا مقصود ہے کہ جب اللہ تعالی کی طرف سے کوئی کام کرنے کا حکم آجائے تو انسان اپنی عقل کو طاق میں رکھ کر اللہ کے حکم کی پیروی کرے۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل　　لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دو

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾

"کسی مومن مرد اور عورت کو کوئی حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اسکے رسول کا حکم آجائے تو انکے پاس اختیار ہو کہ وہ کرے یا نہ کرے"　(پ ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۳۶)

یہ جو تم عقل کے گھوڑے دوڑا کر اللہ کے حکم کو پامال کر رہے ہو یہی جذبہ ہے جو انسان کو اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرتا ہے۔ اور جب انسان نافرمانی پر آمادہ ہوتا ہے تو اس میں یہ سوچ پیدا ہو جاتی ہے کہ اس میں میرا کیا فائدہ ہے اور کیا نقصان ؟ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا جرائم اور بد عنوانیوں سے بھر گئی ہے۔ رشوت خور، کرپشن کرنے والے اور بد عنوانیاں کرنے والے ایسا کیوں کر رہے ہیں ؟ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے اسکو حرام کر رکھا ہے اور ارشاد ہے کہ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔ لیکن اللہ کے احکام کی پرواہ نہ ہونے کیوجہ سے اسمیں منہمک ہیں اور پرواہ نہ ہونے کی وجہ مادہ پرستی کی ذہنیت ہے۔ تو جب پیسہ ہی مقصود حیات بن گیا تو پھر یہ فکر نہیں ہوتی کہ وہ حلال طریقے سے آرہا ہے یا حرام طریقے سے۔ اور اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کو انسان بنانے والی چیز یعنی تقوی اور فکر آخرت کو کچل ڈالا گیا۔

تمام صحابہ کرامؓ کی حیات طیبہ اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ اللہ تعالی نے ایک لاکھ

چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہدایت سے نوازا۔ انکی پوری حیات طیبہ میں کم از کم مجھے تو یہ یاد نہیں ہے کہ کسی صحابیؓ نے کبھی بھی کیوں کا سوال کیا ہو۔ در حقیقت سوال تو یہ ہونا چاہیے کہ حکم کیا ہے ؟ اسی ذہنیت کو بیدار کرنے کے لیے اللہ تعالی نے قربانی کا حکم فرمایا ہے۔ قربانی کا عمل بظاہر دیوانگی نظر آتا ہے لیکن یہ دیوانگی ہی دراصل ہوشمندی ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　　اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

اللہ تعالی کو انسان کے اس عمل میں اسکی دیوانگی ہی پسند ہے جیسا کہ اقبال مرحوم نے کہا ہے۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش عقل　　　عشق ہے مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

اگر اللہ تعالی اسی دیوانگی کو پیدا فرمادیں کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات کی پیروی کرنی ہے تو دراصل اسلام میں یہی مطلوب ہے۔

اسلام سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے سورۃ الصفت میں یہ واقعہ بیان فرمایا تو فرمایا کہ :

﴿ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِo وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ oقَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا﴾

”جب باپ اور بیٹے دونوں نے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی

کے بل لٹادیا توہم نے ندادی کہ اے ابراھیم آج
تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے"

(پ ۲۳ سورۃ الصفت آیت نمبر ۱۰۳)

یہ عمل جو باپ بیٹے نے کیا اسکو اللہ تعالیٰ نے فلما اسلما سے تعبیر کیا جس کا ترجمہ چاہے آپ یوں کریں کہ جب انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور اگر چاہیں تو یوں کر لیں کہ جب انھوں نے اسلام کا مظاہرہ کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام نام ہے ایسے طرز عمل کا جو ابراھیم خلیل اللہ اور اسماعیل ذبیح اللہ علیھما السلام نے پیش کر کے دکھایا۔

قربانی کے بعد گوشت بھی تمھارا

پھر فرمایا کہ ہم نے آج کے دن قربانی کو ایسا بنایا ہے کہ تمھارا کام گلے پر چھری پھیر دینا ہے اسکے بعد اس کا گوشت بھی تمھارا ہے۔ خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ۔ گذشتہ اقوام کے لیے قربانی کا گوشت خود ان کے لیے حلال نہیں تھا لیکن اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لیے حلال ہے۔ ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اسکی نظیر ایسی ہے کہ پہلے زمانے کے بادشاہوں کے یہاں یہ دستور ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے پاس کوئی تحفہ لے جائے تو وہ خواہ کتنا ہی قیمتی ہو لیکن بادشاہ اس پر صرف اپنا ہاتھ رکھتا تھا جس کے معنی ہیں قبول ہو گیا۔ پھر وہ تحفہ اسی کو واپس کر دیا جاتا تھا، ایسے ہی قربانی کے جانور کے گلے پر اللہ کا نام لیکر چھُری پھیر دی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس پر ہاتھ رکھدیا کہ یہ ہمارے یہاں قبول ہے اب تم اسے واپس لیجاؤ۔ اسکا گوشت، کھال اور تمام اعضاء تمھارے ہو گئے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا :

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾

"اللہ تعالیٰ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے" (پ ۱۷ سورۃ الحج آیت نمبر ۳۷)

یعنی ہمیں نہ اسکا گوشت چاہیے نہ اسکا خون، بلکہ تمھارے دلوں کا تقوی مطلوب ہے اور تقوی یہ ہے کہ جو ہم نے کہا وہ کرو۔ تو قربانی محض ایک رسم نہیں بلکہ ایک فلسفہ ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک ذہنیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اس ذہنیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام عبادتوں کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسکے ساتھ ہی وہ حقیقی سبق کہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردو، اپنی زندگیوں میں اجاگر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علم پر عمل کریں

موضوع : علم پر عمل کریں
بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ضبط و ترتیب : محمد ناظم اشرف (فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)
مقام : جامعہ خیر المدارس ملتان
باہتمام : محمد ناظم اشرف
ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انار کلی، لاہور۔
فون ۷۳۵۲۴۸۳

بزرگوں کا فیض

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ
لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۵)

بزرگان محترم، برادران عزیز!

اس وقت آپ کے مدرسہ میں حاضری سے اصل مقصد یہ تھا

کہ اپنے بزرگوں اور احباب سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن محترم برادرم مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ' نے فرمایا چند گزارشات پیش کروں اور طلبہ کو کچھ نصیحتیں کروں۔ میں نے ان سے کہا نصیحت کے مفید ہونے اور موثر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نصیحت کرنیوالا، جن کو نصیحت کی جارہی ہے، سے مرتبہ میں بلند ہو۔ ان بزرگوں کے سامنے مجھ جیسا حقیر کیا نصیحت کرے۔ لیکن اپنی طالب علم برادری میں ایک بات مشہور ہے اور وہ تکرار ہے' یعنی اساتذہ اور بزرگوں سے جو بات سنی ہو اس کو اپنے ساتھیوں کے سامنے سنادیں یہ تکرار ہے۔ تو میں نے سوچا کہ تھوڑا تکرار ہو جائے تاکہ دونوں کو فائدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس نیت کو قبول فرمائے۔ آمین۔

جو کچھ عرض کروں گا اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی کروں گا۔ اپنے پلے تو کوئی چیز ہے ہی نہیں، ایک آیت کریمہ ذہن میں آگئی ہے اس کے بارے میں بزرگوں سے سنا ہے اس کو آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ صحیح بیان کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

عالمی پریشانی کا علاج

حقیقت یہ ہے کہ اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ آیت کریمہ ہمارے موجودہ دور کی تمام پریشانیوں کا واحد علاج ہے۔ ایک سوال جو اکثر و بیشتر ہمارے ذہنوں میں بھی پیدا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی پوچھتے ہیں وہ یہ کہ عالم اسلام انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک کا پھیلا ہوا خطہ زمین جس کو اللہ تعالیٰ نے اس

طرح جوڑا ہوا ہے کہ آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈال کر دیکھیں تو رباط سے لیکر جکارتہ تک ایک زنجیر ہے جس میں اسرائیل جیسی صرف ایک آدھ اجنبی دیوار حائل ہے اس کے سوا مسلمان ممالک میں کوئی فاصلہ نہیں۔ اور اگر تعداد کے اعتبار سے دیکھیں تو جتنی تعداد آج مسلمانوں کی ہے اتنی کبھی نہیں ہوگی۔ اور جتنے وسائل (مالی اعتبار سے قدرتی وسائل کے اعتبار سے اور علم و ہنر کے اعتبار سے) آج مسلمانوں کے پاس ہیں تاریخ میں کبھی مہیا نہیں ہوئے۔ اور دنیا کی اہم ترین شاہراہیں مثلاً نہر سوئیز وغیرہ تمام مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، اگر غیر مسلموں کے لیے ان کو بند کر دیا جائے تو ان کا عرصہ حیات تنگ ہو جائے۔ امریکہ ہو یا برطانیہ دنیا میں سب سے زیادہ تیل مسلم ممالک میں پیدا ہوتا ہے جس کو آج کی اصطلاح میں زر سیال کہا جاتا ہے۔ اتنا زیادہ تیل پیدا ہوتا ہے کہ انگریزی میں یہ مقولہ مشہور ہو گیا ہے کہ جہاں مسلمان ہیں وہاں تیل ہے۔ اس کے باوجود ہر جگہ پٹائی بھی مسلمان ہی کی ہو رہی ہے اور ذلیل بھی دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ دیکھیں! بوسنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ کشمیر ہو یا صومالیہ، الجزائر ہو یا تیونس سب جگہ مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

صرف جماعتیں کافی نہیں

دوسری طرف دیکھیں تو کتنی تنظیمیں اور جماعتیں اصلاح حال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ پورے عالم اسلام میں انڈونیشیا سے لے کر الجزائر تک اس کے علاوہ پاکستان میں ہی دیکھ لیجیے! اگر جماعتوں کا سروے کیا جائے تو

یقیناً لاکھوں میں ہوں گی۔ گلی گلی میں جماعت بنی ہوئی ہے اور کوئی علاقہ خالی نہیں۔ اغراض و مقاصد دیکھو تو دنیا بھر کی جو اچھائیاں تصور میں آسکتی ہیں درج ہوں گی۔ کچھ جماعتیں تو ایسی ہیں جن کا نام صرف لیٹر پیڈ پر ہے، ان کے علاوہ کچھ کام بھی کر رہی ہیں لیکن جو برائی کا سیلاب روز بروز بڑھ رہا ہے اس میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ اب اسی مدرسہ کی چار دیواری میں دیکھیں کہ کیا حال ہے اور اس سے دس قدم باہر نکل کر دیکھیں کیا منظر نظر آتا ہے یعنی جو معاشرہ بدی کی طرف جا رہا ہے اس میں ذرہ برابر کمی نظر نہیں آتی۔ اور دوسری طرف تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزیؒ کی ایک ایک مجلس میں ہزاروں آدمیوں نے توبہ کی اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ایک ایک وعظ سے سینکڑوں انسانوں نے شرک وبدعت سے توبہ کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری یہ ساری کوششیں کیوں رائیگاں اور بے فائدہ ہو رہی ہیں؟ یاد رکھیں! ان کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب کا بیان اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

اصلاح نفس مقدم ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ یَآ یُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ﴾ (سورہ مائدہ آیت ۱۰۵)

"اے ایمان والو! اپنی اصلاح کی فکر کرو، اگر تم ہدایت پر آجاؤ تو جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں ان کی گمراہی تم کو

کوئی نقصان نہیں دے گی"۔

ہر انسان کا فرض ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ کیونکہ معاشرہ نام ہے افراد کا۔ اگر ہر فرد اپنی اصلاح کر لے تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم لوگوں کو یہاں سے غلطی لگ جاتی ہے کہ ہمیں جب بھی اصلاح کا خیال آتا ہے تو اس طرح کہ اصلاح کا آغاز دوسرے سے ہو، ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھے اصلاح کی ضرورت نہیں بلکہ میں نے تو اصلاح خلق کا فریضہ انجام دینا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا آدمی جب اصلاح کا جھنڈا لیکر کھڑا ہوتا ہے تو شور مچا کر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی آواز ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے نکل جاتی ہے۔ اور دوسری طرف جو اپنی اصلاح کر کے بات کرتا ہے تو اس کی بات صرف کان سے ٹکرا کر واپس نہیں آتی بلکہ سیدھی کان کے راستہ دل میں اتر جاتی ہے۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ ساری برائیاں جو معاشرہ میں ہیں سب کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان برائیوں میں سے میرے اندر بھی کوئی برائی پائی جاتی ہے کہ نہیں، دوسروں کی برائیوں کو دور نہیں کر سکتا تو کم از کم اپنی برائی کو دور تو کر سکتا ہوں اس طرف ذہن نہیں جاتا۔ اسی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿ من قال هلك الناس فهو هالك ﴾

"جو شخص یہ کہے کہ دنیا ہلاک ہو گئی وہ خود تباہ ہوا"

اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو صاف سمجھتا ہے اور اپنی اصلاح کی فکر کیے بغیر ساری دنیا کو گمراہ سمجھتا ہے۔ یاد رکھیں! اگر اصلاح کی فکر اللہ پاک ہمارے دل میں

پیدا کر دے تو دوسروں کے عیب بھی اپنے عیبوں کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوں گے۔ پھر اس صورت میں انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ دل سے نکلتی ہے اور وہ اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری دعوت و تبلیغ اس لیے برگ وبار نہیں لارہی کہ ہم نے اپنی اصلاح کی فکر چھوڑ دی ہے۔ ذرا غور فرمائیں کہ ہم نور الایضاح سے لیکر صحیح بخاری تک فقہ وحدیث کی تمام کتب پڑھتے ہیں، بتائیں کتنے پر عمل ہو رہا ہے؟

اپنا احتساب کریں

میرے والد محترم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ تاجر برادری سال میں ایک دن اپنی تجارت بند کرتی ہے تاکہ سال بھر کی تجارت کا حساب کتاب کریں اور معلوم کریں کتنی آمدن ہوئی اور کتنا خرچ ہوا۔ اسی طرح ہمیں بھی حساب کرنا چاہیے کہ سال بھر کتنا پڑھا اور کتنے پر عمل کیا اور کیا تبدیلی آئی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ

﴿جاء حمار صغیر و رجع حمار کبیر﴾

"چھوٹا گدھا آیا تھا اور بڑا گدھا بن کر چلا گیا"

علم سے مقصود عمل ہے

حضرت سفیان ثوریؒ جو بڑے امام، متقی اور بڑے صوفی عالم تھے فرماتے ہیں کہ جب کوئی حدیث سنو تو کسی نہ کسی وقت اس پر عمل کرلو۔

﴿ولا تكن همك ان تحدث به الناس﴾
اور ایسا نہ ہو کہ کوئی بات معلوم ہو لیکن سوچا کہ کسی تقریر میں سنائیں گے یا کسی مجمع میں سنائیں گے۔

ہمارے حضرات اکابر علماء دیوبند کی خصوصیت کیا ہے؟ اور دارالعلوم دیوبند کا کیا امتیاز ہے؟ دنیا میں بڑے بڑے تحقیقی ادارے ہیں جن کا پہلے ہم نام سنتے تھے اور اب اللہ تعالیٰ نے وہ مجھے دکھادیے ہیں، واقعتاً علم و ہنر کے اعتبار سے اعلیٰ سے اعلیٰ ادارے نظر آئیں گے۔ عالم اسلام کو چھوڑیے مغربی ملکوں میں مستشرقین بیٹھے ہیں جو اسلام کے متعلق کتابیں لکھ رہے ہیں اور ان میں ایسی ایسی اہم کتب کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کے نام تک آپ نے نہیں سنے ہوں گے۔ لیکن یہ سارے علوم محض علم دانستن کے معنی میں بے حقیقت و بے روح ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی یہ خصوصیت ہے کہ علم و تحقیق کے ساتھ اس کا ہر آدمی یہ چاہتا تھا کہ جو علم میں حاصل کروں وہ میری زندگی میں رچ بس جائے۔

دارالعلوم دیوبند کا امتیاز

میرے دادا مولانا محمد یٰسین صاحب رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے پرانے حضرات میں سے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا ایسا زمانہ بھی دیکھا ہے جس میں شیخ الحدیث سے لے کر ایک ادنیٰ دربان تک ہر شخص ولی اللہ تھا۔ اس دور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ:

"در مدرسہ خانقاہ دیدے"

رات کو اساتذہ یا طلبہ کے کمروں میں جاؤ تو معلوم ہوتا کہ عبادت گزار زاہد جمع ہیں۔ اور دن کو جاؤ تو "قال اللہ و قال الرسول" کی آوازیں گونج رہی ہیں۔

احتیاط اسے کہتے ہیں

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی آپ بیتی میں حضرت مولانا منیر احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا منیر احمد صاحبؒ مدرسہ کے چندہ کے لیے دہلی تشریف لے گئے اور وہاں تین سو روپے چندہ ہوا۔ اس زمانہ کے تین سو روپے اس زمانہ کے تین لاکھ سے کم نہیں تھے۔ راستہ میں کسی ظالم نے چوری کر لیے تو مولاناؒ بڑے پریشان ہوئے اور اپنا سارا اثاثہ مدرسہ میں فروخت کر کے تاوان ادا کرنے کے لیے رقم اکٹھی کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مولاناؒ سارا اثاثہ مدرسہ میں داخل کرا کے فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گے' حالانکہ یہ امانت تھی اور ان سے کوئی تعدی نہیں ہوئی لہٰذا شرعاً ان پر کوئی تاوان واجب نہیں تھا۔ تو لوگوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس اس بارے میں خط لکھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت مولانا منیر احمدؒ کے پاس خط لکھا کہ آپ سے کوئی قصور نہیں ہوا لہٰذا شرعاً آپ پر کوئی تاوان نہیں آتا۔ جب یہ خط آیا تو مولانا نے فرمایا کہ واہ واہ حضرت گنگوہیؒ نے ساری فقہ میرے لیے پڑھی تھی۔ اس کے آگے جو بات فرمائی وہ ان ہی کے مقام کی بات ہے۔ فرمایا کہ حضرت گنگوہی صاحبؒ مسئلہ تو آپ نے بتا دیا ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں اگر آپ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو آپ کیا کرتے؟ یعنی ان کو یہ یقین تھا کہ

اگر حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو وہ بھی تاوان دیے بغیر چین سے ہر گز نہ بیٹھتے۔ یہ تھے علماء دیوبند، جن کی طرف ہم اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ ان حضرات کی پوری زندگی کا ایک ایک عمل ایک ایک حرکت دین میں رچی بسی ہوئی تھی۔

ہمدردی اور ایثار

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے والد ماجدؒ کے استاد تھے اور حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ

"ایک دن میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ کچا مکان بنا ہوا ہے اور جب بھی بارش آتی ہے تو وہ گر جاتا ہے۔اور حضرت میاں صاحبؒ کبھی کوئی چیز بنواتے ہیں اور کبھی کوئی' میں نے عرض کیا حضرت آپ ایک بار اس کو پکا کیوں نہیں بنا لیتے تو حضرت نے کہا واہ محمد شفیع تم نے تو عقل کی بات کی ہے ہم تو بوڑھے ہوگئے ہیں اور ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ ناراض ہوگئے ہیں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے معاف فرمادیں۔ پھر حضرت مجھے ساتھ لیکر دروازہ سے باہر نکل گئے اور فرمایا دیکھو اس گلی کے ایک کونے سے دوسرے کنارے تک کوئی مکان پکا ہے؟ جب میرے پڑوس میں کوئی مکان پکا نہ ہو تو میں کیسے پکا مکان بنالوں؟"

ہمارے علماء دیوبند کا یہ ایک واقعہ نہیں ہے' اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان

میں سے ہر ہر فرد کو ایک الگ صفت عطا فرمائی ہے جو صحابہ کرامؓ کے زمانہ کی یاد تازہ کرتی ہے۔بزرگوں کے حالات ضرور پڑھا کریں کیونکہ علم برائے علم کوئی چیز نہیں لہٰذا علم کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانے کی کوشش کریں۔

حضرت نانوتویؒ کے علوم

حضرت نانوتویؒ کو دیکھئے کہ جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کی کتابوں کو پڑھنے سے محروم رہتا ہوں اس لیے کہ تھوڑی دیر تک سمجھ آتی ہیں جب وہ ملاء اعلیٰ تک پہنچ جاتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو میری سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں تو بغیر تکلم کے سمجھ میں نہیں آتی اور تکلم کا عادی نہیں۔ غرض حضرت تھانویؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پاس گئے جو درس نظامی کے فاضل بھی نہیں تھے۔ اور ان سے جا کر عرض کیا کہ حضرتؒ ہماری اصلاح کریں۔ دوسری طرف حضرت گنگوہیؒ جیسے عالم بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس اصلاح کے لیے چلے گئے۔ ان دونوں سے کسی نے پوچھا کہ آپ حاجی صاحبؒ کے پاس گئے ہیں جو کہ پورے عالم بھی نہیں ہیں حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ آپ کے پاس آتے۔ تو دونوں نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص وہ ہے جس نے گلاب جامن کھائی تو نہیں لیکن اس کو گلاب جامن کی پوری تاریخ یاد ہو کہ فلاں ملک میں بنتی ہے فلاں چیز سے بنتی ہے ،اگر اس کو کہو کہ اس پر مقالہ لکھ دیں تو وہ مقالہ لکھ دے گا۔ اور ایک وہ ہے جس کو گلاب جامن کی تاریخ تو نہیں آتی لیکن کھاتا روز ہے۔ ان میں سے کون بہتر ہے ظاہر ہے کہ وہی

بہتر ہے جس نے گلاب جامن کھائی ہو، تو ہماری مثال ایسی ہے کہ جو علوم پڑھ رہے تھے وہ لفظی تھے اور حروف و نقوش تھے۔ اور جب ان کی خدمت میں گئے تو وہ حروف و نقوش روح بن گئے۔

اللہ والوں کے پاس کیا ملتا ہے؟

یہ حاصل ہوتا ہے اللہ والوں کے پاس جانے سے۔ پتہ نہیں لوگوں نے تصوف میں کیا کیا بدعات و خرافات داخل کر دی ہیں اور مفروضے قائم کر لیے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کسی اللہ والے کے پاس جاکر اپنے دل و نفس اور باطن کی اصلاح کرائیں۔ حضرت نانوتویؒ سے لیکر حضرت مدنیؒ اور حضرت عثمانیؒ تک کوئی فرد ایسا نہیں جس نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی اللہ والے سے اپنی اصلاح نہ کرائی ہو۔ آج کل یہ چیزیں ہمارے ماحول میں اجنبی ہو گئیں ہیں، جو کوئی کرے تو کہتے ہیں صوفی ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح کی بجائے دل میں دنیا کی محبت، حب جاہ، حب مال، شہرت بھری ہوئی ہے اور اسی وجہ سے کسی داعی کی دعوت کار آمد نہیں ہوتی۔ غرض ہماری ساری جدوجہد کی ناکامی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی اصلاح کی فکر چھوڑ دی۔

قرآن پاک یہ کہتا ہے

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

"اے ایمان والو! اپنی اصلاح کی فکر کر لو تو گمراہ

ہونے والوں کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں
پہنچائے گی۔"

(سورہ مائدہ آیت ۱۰۵)

تو جس دن ہم نے یہ فکر کرلی تو اپنی عاقبت بھی درست کرلیں گے اور دنیا کی جدوجہد میں بھی برکت ہوگی۔ اور اگر ہم نے اپنی اصلاح کی کوشش نہ کی تو یاد رکھیں! ہمارا پڑھنا پڑھانا دعوت و تبلیغ سب اکارت جائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور دین پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

﴿ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين ﴾

اسوۂ حسنہ اور انسانی حقوق

موضوع : اسوۂ حسنہ اور انسانی حقوق

بیان : جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا منظور احمد الحسینی

مقام : اسلامک سنٹر۔ ایجن پارک۔ لندن

باہتمام : محمد ناظم اشرف

ناشر : بیت العلوم ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور۔

فون ۷۳۵۲۲۸۳

اسوہ حسنہ اور انسانی حقوق

آنحضور ﷺ کا ذکر مبارک

تذکرہ ہے نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا اور سیرت طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے وجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات، جتنے متصور ہو سکتے تھے وہ سارے کے سارے جمع فرمائے۔ یہ جو کسی نے کہا تھا کہ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو یہ کوئی مبالغے کی بات نہیں تھی۔ سرور دو عالم ﷺ اس انسانیت کے

لیے اللہ جل جلالہ کی تخلیق کا ایک ایسا شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی نقطۂ نظر سے غور کیجئے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے۔

اس لیے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو آدمی بیان کرے اور کس کو چھوڑے اس کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

؎ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

اور غالب مرحوم نے کہا تھا کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذا شتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

انسان کے تو بس ہی میں نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ، یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی ﷺ کا نام لینے کی بھی اجازت دی جا سکے لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اس سے راہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس لیے موضوعات تو بے شمار ہیں لیکن میرے مخدوم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب، اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو جاری و ساری فرمائے، انھوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کی جائے کہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ انسانی حقوق کے لیے کیا راہنمائی اور ہدایت لیکر تشریف لائے۔ اور جیسا کہ انھوں نے ابھی فرمایا، اس موضوع کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے سے ہیومن رائٹس

مجروح ہوں گے، انسانی حقوق مجروح ہونگے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسان کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا معاذ اللہ کوئی تصور موجود نہیں۔ تو یہ موضوع جب انھوں نے گفتگو کے لیے عطا فرمایا تو تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اس سلسلے میں آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور ان کی نزاکت کو مد نظر رکھتے ہوئے ذرا براہ کرم توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ شاید اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلے کے اندر کوئی صحیح بات ڈال دے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ یہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل، اپنی فکر و سوچ کی روشنی میں خود متعین کر لیا ہے کہ یہ انسانی حقوق ہیں، یہ ہیومن رائٹس ہیں اور ان کا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اس کو ایک معیار حق قرار دے کر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ پہلے سے خود متعین کر لیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے یا نہیں محمد ﷺ نے یہ حق دیا یا نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کس درجہ میں اس کو ماننے کے لیے تیار ہیں؟ اگر نہیں دیا تو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکرو

عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ آپ نے جو اپنے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات مرتب کیے، یہ آخر کس بنیاد پر کیے ؟ یہ جو آپ نے تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہیے یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا ؟

انسانی حقوق کے تصورات تبدیل ہوتے رہے ہیں

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھیے تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں۔ کسی دور میں انسان کے لیے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا، دوسرے دور میں اس حق کو بے کار قرار دے دیا گیا۔ ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا، دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دے دیا گیا۔ تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھیے تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کیے ان کا پروپیگنڈا، ان کی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دیدیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم ﷺ جس وقت دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دے کر ضروری قرار دیا جاتا تھا۔ مثلاً میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں انسانی حقوق کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا غلام بننے کے بعد جان و مال اور جسم ہی اس کا مملوک

نہیں ہوا بلکہ انسانی حقوق انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہو گیا۔ آقا کا یہ بنیادی حق ہے کہ اپنے غلام کی گردن میں طوق ڈالے اور اس کو اوپر پورا لٹریچر مل جائے گا۔ اس زمانے کے اندر لوگوں نے اس کو جسٹیفائی (Justify) کرنے کے لیے اور اس کو مبنی بر انصاف قرار دینے کے لیے فلسفے پیش کیے تھے۔ یہ دور کی بات ہے لیکن ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات لے لیجیے جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا۔ آج فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا، لیکن آپ ان کے فلسفے کو اٹھا کر دیکھیے، جس بنیاد پر انھوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا، اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہو گا۔ انھوں نے یہ تصور پیش کیا تھا جو طاقتور ہے اس کا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے سر جھکائے۔ یہ تصور ابھی سو ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ تو انسانی افکار کی تاریخ میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے، بدلتے رہے۔ کسی دور میں کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا۔ اور جس دور میں اس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا حصہ ہے، اس کے خلاف بات کرنا، زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا۔ تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے سیٹ کو کہا جا رہا ہے کہ ان ہیومن رائٹس کا تحفظ ضروری ہے، یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے، کل کو ان کے درمیان انقلاب نہیں آئے گا، تو کونسی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

انسانی حقوق کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی رہنمائی

حضور نبی کریم سرکار دو عالم ﷺ کا انسانی حقوق کے بارے میں سب سے بڑا کنٹری بیو شن (Contribution) یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی، وہ اساس فراہم فرمائی جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔

اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی اور ہدایت کو اساس تسلیم نہیں کیا جائے تو اس دنیا کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بنیاد پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

ایمنیسٹی انٹر نیشنل کا ایک نمائندہ

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں کہ آج سے تقریباً ایک سال پہلے یا کچھ مدت زیادہ ہوگئی، ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو باہر سے کوئی صاحب ملنے کے لیے آئے، کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ ساری دنیا میں ایک مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹر نیشنل ہے، جو ساری انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبر دار ہے۔ اس ادارے کے ایک ڈائریکٹر پیرس سے پاکستان آئے تھے وہ ملنا چاہتے تھے، خیر میں نے بلالیا، پہلے سے کوئی وقت نہیں لیا تھا، اچانک آگئے اور پاکستان کے وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار

افسر بھی ان کے ساتھ تھے۔آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمینسٹی انٹر نیشنل وہ ادارہ ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے آزادی تقریر و تحریر کا علمبردار کہا جاتا ہے، اور پاکستان میں جو شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمینسٹی انٹر نیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات و احتجاجات کا سلسلہ رہا۔ تو یہ صاحب تشریف لائے، انھوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اس لیے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مقرر کیا ہے کہ میں آزادی تحریر و تقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیاء کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں کہ جنوب مشرقی ایشیاء کے مسلمان انسانی حقوق، آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں؟ اس کا سروے کرنے کے لیے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے انٹرویو کرنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی انھوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ ہمارے پاس وقت کم تھا اس لیے میں پہلے وقت نہیں لے سکا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اس بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر سکوں۔

سروے کرنے کا انوکھا طریقہ

میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہنچا ہوں، میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل اسلام آباد

جانا ہے، میں نے کہا اس کے بعد ؟ کہا کہ اسلام آباد میں ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤں گا، میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے ؟ کہا دو دن، میں نے کہا پھر اس کے بعد ؟ کہا کہ اس کے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے، کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے، آج دن آپ نے کراچی میں گزارا، تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کر لیا؟ تو اس سوال پر وہ بڑا اسٹپٹائے، کہنے لگے اتنی دیر میں واقعی پورا سروے تو نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا ہے، تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی ؟ کہا کہ پانچ افراد سے، میں نے کہا کہ پانچ افراد ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے مکمل کر لیا، اور کل اسلام آباد تشریف لے جائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے چھ آدمیوں سے ملاقات ہو گی، چھ آدمیوں سے ملاقات کے بعد اسلام آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا، اس کے بعد دو دن کے لیے دہلی تشریف لے جائیں گے، دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقات کریں گے تو وہاں کا سروے ہو جائے گا۔ تو یہ بتائیے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے ؟ اس لیے کہ اگر سروے کرنا ہے تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہیے جس کے پاس وقت ہو، جو لوگوں کے پاس جا کر مل سکے، لوگوں سے بات کر سکے، اگر وقت کم تھا تو پھر سروے کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی ؟ وہ کہنے لگے کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن بس ہمیں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا، اس لیے میں مجبور تھا۔ میں نے کہا معاف فرمائیے مجھے آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر

شک ہے، میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا، لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کے لیے تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے کسی سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں، اس لیے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے۔ اس رپورٹ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا، وہ بڑا سٹپٹائے اور انھوں نے کہا کہ آپ کی بات ویسے ٹیکنیکل صحیح ہے، لیکن یہ کہ میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کے لیے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے جواب آپ ضرور دیں، میں نے کہا نہیں، میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دونگا، جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعتہً علمی نوعیت کا ہے، سنجیدہ ہے اور علمی شرائط پوری کرتا ہے ورنہ میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کے لیے تیار نہیں ہوں، آپ مجھے معاف فرمائیں، آپ میرے مہمان ہیں، میں آپ کی خاطر تواضع جو کر سکتا ہوں وہ کروں گا، باقی کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

اظہار رائے کے بارے میں سوال

میں نے کہا کہ اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا دیجیے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے۔ کہنے لگے بات تو آپ کی معقول ہے، لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں، میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا، البتہ آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ

سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے سوال تو میں کرنے کے لیے آیا تھا تو آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کر لوں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو سوال نہیں کروں گا اور ہم دونوں کی ملاقات ہو گئی اور بات ختم ہو گئی۔ کہنے لگے نہیں آپ سوال کر لیجیے؟ تو میں نے کہا سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لے کر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے (Absolute) یعنی مطلق ہے، اس پر کوئی قید کوئی پابندی کوئی شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہئیں؟ کہنے لگے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟ تو میں نے کہا کہ مطلب الفاظ سے واضح ہے کہ میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں، کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اس کا برملا اظہار کرے، اس کی برملا تبلیغ کرے، برملا اس کی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمایئے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد انھوں نے بہت پیسے کما لیے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں، لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور ان کی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہیے اگر کوئی شخص دیانتدارانہ یہ رائے رکھتا ہو اور یہ رائے رکھ کر اس کی طرف تبلیغ کرے اور اس کا اظہار کرے، لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آیئے اور میرے ساتھ شامل ہو جایئے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں، روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے، ان کا مال

لوٹا کریں گے اور مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے، تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں ؟ اور ان کی اجازت دیں گے یا نہیں ؟ کہنے لگے اس کی اجازت نہیں دی جائیگی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں میں تقسیم کر دیا جائے،۔ میں نے کہا یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اس کی اجازت نہیں دی جائیگی تو اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی اظہار رائے اتنی (Absolute) اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس پر کوئی قید کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کی جا سکے، کچھ نہ کچھ قید شرط لگانی پڑے گی۔ کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی، تو میں نے کہا مجھے یہ بتائیے کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ طے کیا جائے کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار تو جائز ہے اور فلاں قسم کی رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے ؟ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم کی تبلیغ جائز نہیں ہے ؟ اس کا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا ؟ اس سلسلے میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو میں اس کو جاننا چاہتا ہوں، کہنے لگے کہ اس نقطۂ نظر سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا، میں نے عرض کیا کہ دیکھیے! آپ اتنے بڑے مشن کو لے کر چلے ہیں، پوری انسانیت کو آزادی اظہار رائے دلانے کے لیے، ان کو حقوق دلانے کے لیے، لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا کہ آخر آزادی اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہیے ؟ کیا اصول ہوں کیا پرنسپلز ہوں کیا شرطیں اور کیا قیود ہوں ؟ کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجیے تو میں نے کہا میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے بیٹھا ہی نہیں، میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتائیے کہ کیا قیود و شرائط

ہونی چاہئیں اور کیا نہیں، میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپ کے نقطۂ نظر سے آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے کیا ہونا چاہیئے ؟

کوئی متفقہ فارمولا ہو تو بتائیں

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک ایسا کوئی فارمولا نہیں ہے، ایک فارمولا ذہن میں آتا ہے کہ ایسی آزادی اظہار رائے جس میں وائیلنس ہو، جس میں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو وہ نہیں ہونی چاہیے، میں نے کہا تو آپ کے ذہن میں آیا کہ وائیلنس کی پابندی ہونی چاہیے، کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات بھی آ سکتی ہے کہ فلاں چیز کی آزادی بھی نہیں ہونی چاہیے یہ کون طے کرے گا اور کس بنیاد پر طے کرے گا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہیے کس کی نہیں ؟اس کا کوئی فارمولا کچھ نہ کچھ معیار ہونا چاہیے، کہنے لگے آپ سے گفتگو کے بعد یہ سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں تک اس کو پہنچاؤں گا اور اس کے بعد اس پر اگر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجوں گا، میں نے کہا انشاء اللہ میں منتظر رہوں گا اور اگر آپ اس کے اوپر کوئی لٹریچر بھیج سکیں اور اس کا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالبعلم کی حیثیت سے اس کا مشاق ہوں، جب وہ چلنے لگے، ان کو مجھ سے کوئی بات ملی نہیں تو اس وقت میں نے ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں، یہ بات مذاق کی نہیں ہے، سنجیدگی سے چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے، اس کے بارے میں آپ اپنا نقطۂ نظر بھیجیں۔ لیکن ایک

بات میں آپ کو بتادوں کہ جتنے آپ کے نظریات اور فلسفے ہیں، اس سب کو مد نظر رکھ کر غور کر لیجیے، کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش نہیں کر سکیں گے، جس پر ساری دنیا متفق ہو جائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے کی آزادی ہونی چاہیے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہیے اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں، آج ڈیڑھ سال ہو گیا ہے کوئی جواب نہیں آیا۔

انسانی سوچ محدود ہے

حقیقت یہ ہے کہ مجمل نعرے ، یہ اجمالی نعرے کہ ہیومن رائٹس ہونے چاہئیں، آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے ، تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیے ، یہ اجمالی نعرے ان کی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہو سکے اور جس کے بارے میں معقولیت سے کہا جا سکے کہ یہ ہے وہ بنیاد جو اس کو طے کر سکے، یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے کیوں ؟ اس واسطے کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کرے گا اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتی ، اس لیے دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں ، دو گروپوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں، لہٰذا ان کے درمیان اختلاف رہا ہے، رہے گا اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ انسانی عقل اپنی ایک لیمٹیشن رکھتی ہے، اس کی حدود ہیں، اس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ کا اس پوری انسانیت کے لیے سب سے بڑا احسان عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی وہ بنیاد فراہم کی ہے کہ

کونسالائق حق قابل تحفظ ہے اور کونسا حق تحفظ نہیں، اس کی واحد بنیاد یہ ہے کہ وہ ذات جس نے اپنی پوری کائنات کو پیدا کیا، وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا، اس سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں؟ وہی بتا سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا اور اس ذات کے ساتھ اس خالق کائنات کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے وحی کے ذریعہ رشتہ جوڑا اور وہ مقام جہاں پر انسان کی عقل آ کر ناکارہ ہو جاتی ہے، بے کار ہو جاتی ہے، صحیح جواب نہیں دیتی، اس مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ اللہ جل جلالہ کی بذریعہ وحی بتاتے ہیں کہ یہ ہے وہ بنیاد جس کی روشنی میں تم اپنے مسائل حل کر سکتے ہو۔

اسلام کسی کا محتاج نہیں

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے، میں ان سے کہتا ہوں کہ اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں، اگر اسلام کو اس وجہ سے مانتا ہے کہ حقوق پہلے اپنے ذہن میں طے کر لیے کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور ان کے بعد پھر اسلام میں اس خاطر آتے ہو کہ یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جا رہا ہوں، تو یاد رکھو اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں۔

اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ اپنی عاجزی، درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور سوچ عاجز ہے ہمیں وہ

بنیاد چاہیے جس کی بنیاد پر ہم مسائل حل کریں۔ جب آدمی اس نقطۂ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت وراہنمائی پیش کرتا ہے۔ متقین کے کیا معنی؟ متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو، یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں، درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں، پھر رجوع کرتے ہیں اپنے مالک اور خالق کے سامنے کہ آپ ہمیں بتایئے کہ ہمارے لیے کیا راستہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ یہ پیغام لے کر آئے، لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا ہے کہ پہلے یہ بتاؤ ہیومن رائٹس کیا ملیں گے، تب اسلام میں داخل ہوں گے تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونیکا نہیں ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جب اس امت کو پیغام دیا تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی، کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ، تمھیں فلاں فلاں حقوق مل جائیں گے، بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحون" یہ مادی منافع، مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی آنا چاہتا ہے تو در حقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا، پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

عقل اپنی حدود میں کارآمد ہے

یاد رکھیے یہ موضوع بڑا طویل ہے کہ عقل انسانی بے کار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی یہ بڑی کارآمد چیز ہے، مگر یہ اس حد تک کار

آمد ہے جب تک اس کو اس کی حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اس کو استعمال کرو گے تو وہ غلط جواب دینا شروع کر دے گی۔ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور ذریعہ علم عطا فرمایا ہے، اس کا نام وحی الٰہی ہے، جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کارآمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے۔

دیکھو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی، کان دیئے، زبان دی۔ آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کرتے ہیں، کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں، زبان سے چکھ کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن رکھا ہے، ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے اس سے باہر نہیں دیتا، آنکھ دیکھ سکتی ہے، سن نہیں سکتی، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں آنکھ سے سنوں تو وہ احمق ہے، کان سے سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا، کوئی شخص یہ چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بے وقوف ہے اس واسطے کہ یہ اس کام کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ کام دے رہی ہے نہ کان کام دے رہے ہیں نہ زبان کام دے رہی ہے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے جو انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔

دیکھیے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے، آنکھ سے دیکھ کر معلوم کیا کہ اس کے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں ہاتھ سے چھو کر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں، لیکن تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اس کو بنایا؟ وہ بنانے والا میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اس واسطے میری آنکھ بھی اس

سوال کا جواب نہیں دے سکتی، میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا، اس موقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیسری چیز عطا فرمائی جس کا نام عقل ہے، عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے، یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا ہے، یہ خود سے وجود میں نہیں آسکتا، کسی بنانے والے نے اس کو بنایا ہے یہاں عقل نے میری راہنمائی کی ہے لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہیے ؟ کہاں اس کو استعمال کرنے سے فائدہ ہوگا کہاں نقصان ہوگا ؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے عقل بھی ناکام ہو جاتی ہے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا فرمائی اور اس کا نام ہے وحی الہٰی، وہ خیر اور شر کا فیصلہ کرتی ہے، وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے اور اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم آجائے اور اپنی عقل اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی وجہ سے اس کو رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا، لہٰذا میں اس کو رد کرتا ہوں۔ یہ درحقیقت اس عقل کی اور وحی الہٰی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسے سمجھ میں اس لیے نہیں آرہا کہ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی ؟ وحی تو آئی ہی اس لیے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی۔ تو اس واسطے اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ایک حکم نازل کر دیتے کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے، عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ

جاؤ۔ نہ کسی کتاب کی ضرورت نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت ہوتی۔ جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفا نہیں فرمایا، رسول بھیجے، کتابیں اتاریں، بھیجی تو اس کے معنی ہیں کہ تنہا عقل انسان کی راہنمائی کے لیے کافی نہیں تھی، اس کے بعد وحی الٰہی اسی لیے آئی۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں چونکہ اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا، لہٰذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اور یہیں سے ایک اور جواب مل جاتا ہے جو آج کل بڑی کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پہ جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا، خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتایا، یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئیں اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے، تو قرآن اور سنت نے یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؟

جواب اس کا یہی ہے کہ اس لیے نہیں بتایا کہ وہ چیز تمھارے عقل کے دائرے کی تھی، اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور اپنی محنت سے جتنا آگے بڑھو گے، اس کے اندر تمھیں انکشافات ہوتے چلے جائیں گے، وہ تمھاری عقل کے دائرے کی چیز تھی، عقل اس کا ادراک کر سکتی تھی۔ اس واسطے اس کے لیے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کے لیے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں

تھی، لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت ہی وہاں ہے جہاں تمھاری عقل عاجز تھی جیسے کہ ایمینسٹی انٹر نیشنل والے آدمی کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی تحریر و تقریر کے اوپر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں، کیا نہیں ہونی چاہئیں، اس معاملے میں انسان کی عقل عاجز تھی اس لیے محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔

آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ حق ہے انسان کا جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس لیے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دوعالم ﷺ کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کون سا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آجائے تو اب سنیے کہ نبی کریم ﷺ نے کیا حقوق انسان کو عطا فرمائے، کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا، کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اس کے اوپر عمل کر کے دکھایا۔ اور آج دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اس کا اعلان کرنے والے بہت، اس کے نعرے لگانے والے بہت لیکن ان نعروں پر اور ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آجائے تو وہی ڈھنڈورچی، جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں، جب ان کا اپنا معاملہ آجاتا ہے اور اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے، تو دیکھیے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہیے جسے جمہوریت بھی کہا جاتا ہے۔ آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں مشہور ہو رہی

ہے : ''دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین'' آج کل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے، اس کی ساری تھیس یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہو گیا اور اب انسانیت کے عروج اور فلاح کے لیے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا یعنی ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

تنہا نعرے بے کار ہیں

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہہ دے وہ حق ہے، اس کو قبول کرو، اس کی بات مانو لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہو جاتی ہے اور انتخابات میں اکثریت حاصل کر لیتی ہے تو اس کے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی، پھر اس کا وجود جمہوریت کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ تو نعرے لگا لینا اور بات ہے اور لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانا مشکل ہے۔

یہ نعرے لگا لینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو ان کے حقوق ملنے چاہئیں، ان کو آزادی اظہار رائے ہونی چاہیے اور لوگوں کو حق خود ارادی ملنا چاہیے لیکن جن لوگوں کا حق خود ارادی پامال کر کے سر سے لے کر پاؤں تک ان کو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جا رہا ہے ان کے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان تھراتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی کرنیوالے ان کے خلاف کاروائیاں کرتے ہیں۔ لہٰذا بات صرف یہ نہیں ہے کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اس کو کر کے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد

رسول اللہ ﷺ نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کر کے دکھایا۔

غزوہ بدر اور حضور ﷺ کا عمل

غزوہ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جا رہے ہیں، راستے میں ابو جہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابو جہل کا لشکر کہتا ہے کہ ہم تمھیں محمد ﷺ کے پاس جانے نہیں دیں گے، اس لیے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف ان کے لشکر میں شامل ہو گے، ہمارے خلاف جنگ کرو گے۔ یہ بچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے لیے جانا تھا اور انھوں نے روک لیا۔ آخر کار انھوں نے کہا کہ اس شرط پر تمھیں چھوڑیں گے کہ ہم سے اس بات کا وعدہ کرو کہ جانے کے بعد ان کے لشکر میں شامل نہیں ہو گے اور ہم سے جنگ نہیں کرو گے، اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمھیں چھوڑتے ہیں۔
حضرت حذیفہؓ اور ان کے والدؓ نے وعدہ کر لیا چنانچہ چھوڑ دیئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آ گیا اور جنگ بھی ایسی کہ ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور اس کے مقابلے میں ۳۱۳ نہتے، جن کے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے، ستر اونٹ ہیں، ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس کوئی اور تلوار بھی نہیں تھی، کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے، اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی، کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں، آپ کے

ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اور ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا ہے، یہ وعدہ زبردستی لیا گیا کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہو گے تو اس واسطے ان کو اجازت دے دیجیے تاکہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کونسا؟ یوم الفرقان، جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمانؓ چاہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شامل ہو جائیں، سرکار دو عالم ﷺ کا جواب یہ ہے کہ نہیں، جو ابو جہل کے لشکر سے وعدہ کر کے آئے ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے، لہذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا۔ یہ ہے اسوہ حسنہ کہ جب وقت پڑے، اس وقت انسان اصول کو نبھائے، یہ نہیں کہ زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساگی پر بے گناہ بچوں اور بے گناہ عورتوں کو تہہ وبالا کر دیا کہ ان کی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں اور جب جنگ کا اپنا وقت پڑ جائے تو ان میں کوئی اخلاق اور کردار دیکھنے والا نہ ہو۔

جان کا حق

تو نبی کریم ﷺ نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کر کے بھی دکھایا، اب سنیے!

انسانی حقوق میں سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے، ہر انسان کی

جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کہ کوئی ان کی جان پر دست درازی نہ کرے۔ "لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق" کسی بھی جان کے اوپر دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دے دیا کہ جنگ میں جا رہے ہو، تو کفار سے مقابلہ ہے یا دشمن سے مقابلہ ہے اس حالت میں بھی تمہیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو، جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ زبانی طور پر تو کہہ دیا اور تہس نہس کر دیا سارے بچوں کو بھی اور عورتوں کو بھی، نبی کریم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کسی بوڑھے کسی بچے اور کسی عورت پر نہیں اٹھا، یہ ہے جان کا تحفظ۔

مال کا حق

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے:

"لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل"

باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ، اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت اور امانت تھی، لیکن جب معاملہ جنگ کا آ گیا اور دشمنی ہو گئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیئے جائیں گے، تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیئے جائیں گے، جب مقابلہ ہو گیا تو

اس وقت میں تمام حقوق انسانی غائب ہو گئے اور مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

ایک چرواہے کا واقعہ

محمد رسول ﷺ نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں۔ غزوہ خیبر ہے، یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور اس خیبر کے گرد محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی آرمی پڑی ہوئی ہے خیبر کے قلعہ کے اردگرد، خیبر کے اندر ایک بے چارا چھوٹا سا چرواہا ہے جو اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا، اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت ﷺ کا لشکر پڑا ہوا ہے تو جا کر دیکھوں تو سہی، آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" ﷺ کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لے کر خیبر کے قلعے سے نکلا اور آنحضرت ﷺ کی تلاش میں مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا، کسی سے پوچھا کہ بھائی محمد ﷺ کہاں ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں، وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس کھجور کے معمولی سے خیمہ اور جھونپڑی میں اتنا بڑا سردار اور اتنا بڑا نبی ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو وہ اس میں چلا گیا، اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے، جا کر کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ آپؐ نے مختصراً توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کر لوں تو میرا کیا مقام ہو گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم تمھیں سینے سے

لگائیں گے ، تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں وہ تمھیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں کیونکہ میں ایک کالا بھجنگ چرواہا سیاہ فام اور میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے، اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے ؟ فرمایا کہ ہاں ہم تمھیں بھی سینے سے لگائیں گے۔ کہا آپ مجھے سینے سے لگائیں گے مگر یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے ، میرے ساتھ اہانت آمیز برتاؤ کیا جاتا ہے تو آپ مجھے کس وجہ سے سینے لگائیں گے ؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا، اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب بندے برابر ہیں، اس واسطے ہم تمھیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں اور مسلمان ہو جاؤں، تو میرا انجام کیا ہوگا؟ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تمھاری اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دے گا اور تمھارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دے گا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ فرمایا، اس اللہ کے بندے کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ فوراً بولا اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ، عرض کیا میں مسلمان ہو گیا، اب جو حکم آپ دیں وہ کرنے کو تیار ہوں۔ سنیے! سرکار دو عالم ﷺ نے سب سے پہلا حکم اس کو کیا دیا؟ یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو، یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو، پہلا حکم یہ دیا کہ جو کسی کی بکریاں تم چرانے کے لیے لے کر آئے ہو یہ تمھارے پاس امانت ہیں، پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اس کے بعد آ کر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے ؟ بکریاں کس کی ؟ یہودیوں کی، جن کے اوپر حملہ آور ہیں، جن کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے، جن کا مال غنیمت چھینا جارہا

ہے۔ لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں چھینتا تو جائز تھا لیکن تم لے کر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے مال کا اور معاہدے کا تحفظ کیا جائے، یہ ان کا حق ہے، لہذا ان کو پہنچا کر آؤ۔ اس نے کہا یارسول اللہ بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! پہلے ان کو واپس لوٹاؤ۔ چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔ کوئی مثال پیش کرے گا کہ عین میدان جنگ میں عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جارہا ہو؟ جب بکریاں واپس کر دیں تو عرض کیا اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمھیں نماز پڑھواؤں، نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں، نہ تمھارے پاس مال ہے کہ زکوۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کے چھاؤں کے نیچے ادا کی جاتی ہے وہ ہے جہاد، اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا، اس کا اسود راعی نام آتا ہے، جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا، کون شہید ہوا، تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابہ کرامؓ کا مجمع لگا ہوا ہے۔ آپس میں صحابہؓ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور ﷺ نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابہ کرامؓ نے بتلایا کہ یہ ایسے شخص کی لاش ملی ہے کہ جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے قریب پہنچ کر دیکھا اور فرمایا تم نہیں پہچانتے مگر میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت الفردوس کے اندر کوثر و تسنیم سے غسل دیا ہے اور اس کے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا

ہے، اس کے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیا ہے۔

لہٰذا صرف یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو، محض کہہ دینے کی بات نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے کر کے دکھایا کہ کافر کے مال کا تحفظ بھی معاہدے کے بعد ضروری ہو جاتا ہے۔

آبرو کا حق

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کے تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے، غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت، لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ کسی کا پیٹھ کے پیچھے ذکر برائی سے نہ کیا جائے۔ غرض غیبت کرنا بھی حرام، غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کے دل کو نہ توڑا جائے یہ انسان کے لیے گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افقہ الصحابہ حضور ﷺ کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرمارہے ہیں، طواف کے دوران آنحضرت ﷺ نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ تو کتنا مقدس ہے، کتنا مکرم، کتنا معظم ہے، یہ الفاظ فرمائے پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس بڑا مکرم بڑا معظم ہے، لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اس کا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اس کا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص

دوسرے کی جان مال اور آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا تو سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ کعبہ سے ڈھا دینے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ نے حق دیا۔

معاش کا حق

انسان کے جو بنیادی حقوق ہیں وہ جان مال اور آبرو ان کا تحفظ ضروری ہے پھر انسان کو دنیا میں جینے کے لیے معاش کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں کسب معاش کا تحفظ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے لیے معاش کے دروازے بند کرے۔ ایک طرف تو یہ فرمایا کہ معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجہ میں معاشرے کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو، ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے۔ چنانچہ فرمایا" لا یبیع حاضر لباد" کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ ایک آدمی دیہات سے مال لے کر آیا مثلاً زرعی پیداوار، ترکاریاں شہر میں فروخت کرنے کے لیے لایا تو حکم یہ ہے کہ شہری اس کا آڑھتی نہ بنے، اس کا وکیل نہ بنے۔ غور کریں اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ میں تمھارا مال فروخت کروں گا، تمھارے سے اجرت لوں گا تو اس میں کیا حرج ہے؟ لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ بتلایا کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جو شہری ہے، وہ جب مال لے کر بیٹھ جائے گا تو احتکار کرے گا اور بازار کے اوپر اپنی مونا پلی قائم کرے

گا، اجارہ داری قائم کرے گا، اس اجارہ داری قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس واسطے فرمایا" لا یبیع حاضر لباد"۔ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسرے کے لیے معیشت کے دروازے بند نہ کرے۔ یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر، قمار کھیل کھیل کر، گیمبلنگ کر کر کے، سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے اپنے لیے دولت کے انبار جمع کر لیے اور دولت کے انباروں کے ذریعے سے وہ پورے بازار پر قابض ہو گیا، کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کے لیے داخل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے دروازے بند ہیں۔ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم ﷺ نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا ہے اور فرمایا : " دعوا الناس یرزق الله بعضهم ببعض " لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائیں گے۔ یہ کسب معاش کا تحفظ ہے۔ جتنے حقوق میں عرض کر رہا ہوں، یہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

عقیدے کا حق

عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہے تو اس کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جا کر مجبور کر کے اسے دوسرا دین اختیار کرنے پر مجبور کرے :

" لا اکراہ فی الدین "دین کے اندر کوئی جبر نہیں، اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی

رہے، ایک یہودی ہے تو یہودی رہے، قانوناً اس پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اس کو اسلام میں داخل کیا جائے۔ ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے محاسن اس کے سامنے آ گئے، تو اب اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے۔ اس واسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے، لہٰذا اس فساد کا آپریشن کر دیا جائے گا اور معاشرے میں اس کو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے، کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، میں پہلے کہہ چکا ہوں ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ نے بنیاد فراہم فرمائی ہے۔ حق وہ ہے جسے اللہ مانے، حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ مانیں، اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اس لیے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں آزاد ہے، ورنہ اگر مرتد ہونیکی سزا کا حکم نہ ہوتا تو اسلام کے دشمن اسلام کو بازیچہء اطفال بنا کر دکھلاتے۔ کتنے لوگ تماشا دکھانے کے لیے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے۔ قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا۔ اس واسطے دارالاسلام میں رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائے گی۔ اگر واقعتاً دیانتداری سے تمھارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دارالاسلام سے باہر جاؤ، باہر جا کر جو چاہو کرو، لیکن دارالاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

غرض موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات

کے سامنے پیش کی ہیں۔ (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں، لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اس کے بہت ہیں، لیکن اس کے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے غلام ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا عمل

حضرت فاروق اعظمؓ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ اس لیے کہ ان کے جان و مال آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ ایک موقع پر بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی اور محاذ پر بھیجنے کی زبردست ضرورت داعی تھی۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں، ہم نے ان کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو ان کا تحفظ کون کریگا؟ ہم نے ان سے اس کام کے لیے جزیہ لیا ہے، لیکن ضرورت بھی شدید ہے۔ تو سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ ہم نے تمھاری ذمہ داری لی تھی اور اس کی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا، اب ہمیں ضرورت شدید پیش آگئی ہے، جس کی وجہ سے ہم تمھارا تحفظ کماحقہ نہیں کر سکتے اور فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے، لہذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کی خاطر بھیج رہے ہیں تو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے، اب دیکھیں یوں ذمہ داری ادا کی جارہی ہے۔

حضرت معاویہؓ اور اتباع حکم

حضرت معاویہؓ وہ صحابی رسول ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے۔ ان کا واقعہ ابوداؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران معاہدہ ہو گیا کہ جنگ بندی ہو گی، ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہو گیا کہ سیز فائر رہے گا جنگ بندی رہے گی، کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ بڑے دانش مند بزرگ تھے انھوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے اس تاریخ کو فوجیں لے جا کر سرحد کے پاس ڈال دیں کہ ادھر آفتاب غروب ہو گا اور تاریخ بدلے گی ادھر حملہ کر دیں گے کیونکہ ان کا خیال ہو گا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہو گی تو، کہیں دور سے چلیں گے، چلنے کے بعد یہاں پہنچیں گے تو کافی وقت لگے گا تو اس واسطے انھوں نے سوچا کہ پہلے فوج لیجا کر ڈال دیں۔ چنانچہ وہاں فوج لیجا کر ڈالدی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انھوں نے حملہ کر دیا اور روم کے اوپر یلغار کر دی۔ چونکہ دشمن بے خبر تھا اس لیے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے اور زمین کے خطے کے خطے فتح ہو رہے ہیں۔ جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے تھے تو پیچھے سے دیکھا کہ گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آرہا ہے اور کہہ رہا ہے قفوا عباد الله !قفوا عباد الله ! الله کے بندو! رکو! اللہ کے بندو! رکو! حضرت معاویہؓ رک گئے دیکھا کون ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہؓ ہیں۔ حضرت عمر بن عبسہؓ قریب تشریف لائے

تو فرمایا" وفا ۔ لا غدر" مومن کا شیوہ وفاداری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں نے تو کوئی غداری نہیں کی جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جب کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا سا بھی تغیر نہ کرے، نہ کھولے نہ باندھے یہاں تک کہ اسکی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمھارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں" اور آپ نے معاہدہ کے دوران سر پر فوجیں لا کر ڈال دیں اور شاید اندر بھی تھوڑا بہت گھس گئے ہوں تو اس لیے آپ نے یہ معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے۔ اب اندازہ لگائیے حضرت معاویہؓ فتح کے نشے میں جا رہے ہیں، علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں لیکن جب سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد سنا ساری فوج کے لیے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا جائے چنانچہ پورا مفتوح علاقہ خالی کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقے کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اس میں معاہدے کی پابندی کے اندر ذرا سی اوچھ رہ گئی تھی، لیکن محمد الرسول اللہ ﷺ کے جو غلام تھے، انھوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کر لی جائے ختم نہیں ہو سکتی لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔

ہیومن رائٹس کا کردار

آج کہنے کے لیے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیے گئے کہ یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں لیکن ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں، اس کو گرا دیں، اس میں ان کا کوئی بال بیکا نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کسے جائیں اس میں بھی کوئی بال بیکا نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دو عالم ﷺ ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اس کی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین